ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

دارالسلام DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

جلد:22 | شمارہ:03 | مارچ 2013ء/ جمادی الاولیٰ 1434ھ



مدینہ طیبہ

کے دلفریب نظارے

واقعاتی اسلوب میں دلچسپ تحریر

— چیف ایڈیٹر کے قلم سے

پریشانیوں کا حل خودکشی؟

خودکشی کے بڑھتے رجحان کی روک تھام کے سلسلے میں قرآن وسنت کی رہنمائیاں

علم

نظریاتی وجغرافیائی

سرحدوں کا محافظ ہے

ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری وائس چانسلر

سرگودھا یونیورسٹی کا معلومات افزا انٹرویو

قرآن اور 15 خواتین

8 مارچ عالمی یومِ خواتین پر اہم پیغام..... بنت حواء کے نام



ماہِ جمادی الاولیٰ

(شریعت کے آئینے میں)

ماہِ جمادی الاولیٰ قمری سال کا پانچواں مہینہ ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں اس مہینے کی کوئی خاص فضیلت بیان نہیں ہوئی ہے۔ زمانۂ جاہلیت کی تاریخ بھی اس حوالے سے خاموش ہے۔ جس طرح دیگر مہینوں میں عبادات بجالائی جاتی ہیں اس مہینے میں بھی اسی طرح احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے۔

رسوم ورواج

قمری سال کے اکثر مہینوں کے حوالے سے مسلمانوں میں بدعات وخرافات رواج پا چکی ہیں۔ کسی مہینے میں کم ہیں تو کسی میں زیادہ۔ امتِ مسلمہ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ یہ مہینہ ابھی تک بدعات وخرافات اور رسوم ورواج سے بچا ہوا ہے۔

اہم واقعات

- جمادی الاولیٰ 8ھ / اگست یا ستمبر 629ء میں مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ''موتہ'' کے مقام پر خونریز معرکہ ہوا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی تعداد 3000 تھی جبکہ رومی دو لاکھ تھے۔ اس میں 12 صحابہ شہید جبکہ بے شمار رومی جہنم واصل ہوئے اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں 9 تلواریں ٹوٹیں۔
- 2 جمادی الاولیٰ 13ھ / 29 جولائی 634ء کو مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ''اجنادین'' (فلسطین) کے مقام پر جنگ ہوئی۔ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد جبکہ مسلمانوں کی تعداد 33000 تھی۔ رومیوں کو شکست ہوئی اور 30000 رومی مارے گئے۔
- یکم جمادی الاولیٰ 73ھ / 18 ستمبر 692ء کو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید کر دیے گئے۔
- جمادی الاولیٰ 389ھ / 998ء میں سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔
- جمادی الاولیٰ 607ھ / اکتوبر 1210ء میں ہندوستان کے پہلے مسلمان بادشاہ اور خاندانِ غلاماں کے بانی قطب الدین ایبک نے وفات پائی۔
- 6 جمادی الاولیٰ 719ھ / جون 1319ء کو والی غرناطہ ابوالولید اسماعیل نے ساڑھے پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ 2 لاکھ سے زیادہ عیسائیوں کو شکست دی۔ اس جنگ میں ایک لاکھ عیسائی مارے گئے جبکہ صرف 13 مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔
- جمادی الاولیٰ 1365ھ / 17 اپریل 1946ء کو فرانسیسی فوجیں ہمیشہ کے لیے شام سے نکل گئیں اور شام آزاد ہو گیا۔
- جمادی الاولیٰ 1367ھ / مارچ 1948ء میں فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے وفات پائی۔

منجانب ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' کا ایک قاری

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

جلد:22 | شمارہ:03 | مارچ 2013ء/جمادی الاولیٰ 1434ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی

وسعتِ دامان



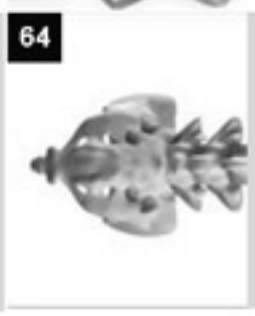
19 اصلاحِ معاشرہ
بارات کا تصور
حافظ صلاح الدین یوسف



44 ملکی صورت حال
امریکی مفادات کی جنگ اور اس کے اثرات
محمد انیس الرحمان



54 تزکیۂ نفس
رزقِ حلال ہی کیوں؟
پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی



64 دلائل نبوت
ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی
یوسف الحاج احمد

اداریہ | کیا ہم سعادت مند نہیں ہیں؟ | چیف ایڈیٹر | 6
تجلیات قرآن | قرآن مبین اور 15 خواتین | محمد نعمان فاروقی | 8
انوارِ حدیث | کیا خودکشی پریشانیوں کا حل ہے؟ | عبداللہ یوسف ذہبی | 14
اصلاحِ معاشرہ | بارات کا تصور | حافظ صلاح الدین یوسف | 19
سیاسیات | اسلامی حکومت اور قراردادِ مقاصد | حافظ محمد حق نواز | 27
افتاء و ارشاد | آپ کے مسائل اور اُن کا حل | ابوالحسن حافظ عبدالخالق | 34
معاشیات | مثالی تاجر کے اوصاف | حافظ عبدالسمیع | 37
مکتوب الریاض | مدینہ طیبہ کے دلفریب نظارے | عبدالمالک مجاہد | 40
ملکی صورت حال | امریکی مفادات کی جنگ اور اس کے اثرات | محمد انیس الرحمان | 44
انٹرویو | علم نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا محافظ | ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری | 48
عقائد | جنات سے استعانت | حافظ شبیر صدیق | 58
طب و صحت | کیلا | ڈاکٹر طارق ریاض | 61
دلائل نبوت | ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی | یوسف الحاج احمد (مصر) | 64
پکار | فحاشی کی ترویج اور ہماری ذمہ داریاں | مولانا زبیر احمد صدیقی | 66
ہمارا وطن | پاکستان کے خلاف اتنا شور کیوں؟ | ثناء اللہ سیالکوٹی (لندن) | 69
عالم اسلام | عراق کے تاریخی شہر | محسن فارانی | 73

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون: سعودی عرب 100 ریال، یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ رعایتی زرتعاون: عام ڈاک صرف -/400 روپے، رجسٹری ڈاک -/800 روپے

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی
ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
numanfaruqi@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم

آرٹ اینڈ ڈیزائن
طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

محمد صفت الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر) | ہارون الرشید (گرافک ڈیزائنر) | قانونی مشیر
خطاطی: اکرام الحق | کمپوزنگ: اظہر حنیف | ملک نور محمد سرفراز

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 00388052010020 63
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ:

موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
شعبہ ترسیل: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر: محمد ادریس فاروقی | مقام اشاعت: 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر: انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

کیا ہم سعادت مند نہیں ہیں؟

اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ ہم اس دور میں قیصر و کسریٰ سے بہتر اور افضل زندگی گزار رہے ہیں تو ممکن ہے آپ میری بات کو درست نہ مانیں۔ مگر یہ امر واقع ہے کہ ہم ماضی کے بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں سے کہیں عمدہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! اگر ہم ماضی کے مشہور بادشاہوں کی زندگیوں کا اپنی زندگی کے ساتھ مقارنہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم اس سے کہیں بہتر اور پرآسائش زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو ہم موجودہ لائف سٹائل کا گزرے ہوئے بادشاہوں کے ساتھ تقابل کرتے ہیں۔

مصر کے بادشاہ نے سفر کرنا ہوتا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوتا تو اس کے لیے گھوڑوں کی رتھ گاڑی بنائی گئی تھی۔ جسے دو چار اور بعض اوقات آٹھ طاقتور گھوڑے کھینچتے تھے۔ پکی سڑکوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ راستے کچے تھے جن پر یہ گاڑیاں چلا کرتی تھیں۔ مسافروں کو بے حد ہچکولے لگتے تھے۔ عام آدمی گھوڑوں، اونٹوں، گدھوں یا بیل گاڑیوں پر سفر کرتے۔ ان کی رفتار کیا تھی اس کا ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ دن بھر میں بمشکل پچاس کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوتا ہوگا۔

مگر ہمارے پاس موٹر گاڑیاں ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے کے لیے بڑے عمدہ وسائل نقل و حرکت ہیں۔ ہم گاڑی میں چابی گھماتے ہیں وہ چند سیکنڈ میں سٹارٹ ہو جاتی ہے۔ اور پھر ہم سو کلومیٹر یا اس سے زائد فی گھنٹہ کی رفتار سے ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس تیز روٹرینیں ہیں۔ ان میں اب تو تین سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی گاڑیاں ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ پیرس سے لندن تک دنیا کی تیز ترین ریل گاڑی میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ گاڑی سمندر کے نیچے زیر زمین چلتی ہے۔ ہمیں احساس تک نہ ہوا کہ ہم سمندر کے نیچے سفر کر رہے ہیں۔

اور اب تو ہوائی جہاز اس کثرت سے ہیں کہ کم و بیش اسی ہزار ہوائی جہاز ہر وقت مسافروں کو لے کر فضا میں اُڑ رہے ہوتے ہیں۔ ان کی اوسط رفتار آٹھ سو سے ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ گویا قیصر و کسری جو سفر ایک ہفتہ میں کرتے تھے وہ آپ آدھ گھنٹے میں طے کر سکتے ہیں۔

شاہِ ایران کسریٰ اپنے محل کو موم بتی یا تیل کے چراغوں سے روشن کرتا تھا۔ ذرا سی تیز ہوا چلتی تو لیمپ بجھ جاتے۔ مگر اب بارش ہو یا طوفان ہم اپنے گھروں کو ایک بٹن دبا کر لمحہ بھر میں روشن کر سکتے ہیں۔

قیصر روم کے لیے میٹھا پانی دور دراز سے اونٹوں اور گھوڑوں پر مشکوں میں بھر بھر کر لایا جاتا تھا۔ صبح سویرے سقہ پانی بھری مشک لے کر آتا اور گھر کے برتنوں میں ڈال جاتا۔ غسل کرنے کے لیے ندی نالوں کا رخ کیا جاتا۔ کپڑے دھونے کے لیے خواتین بعض اوقات آدھا دن ندی نالوں کے کنارے کپڑے دھوتی رہتیں۔ مگر اب ہماری یہ شان ہے کہ گھروں، دفتروں، مساجد اور پبلک مقامات پر پانی کی ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ آپ ذرا اشارہ کریں یا ٹونٹی مروڑیں تو گرم یا ٹھنڈا پانی نکلے گا۔ شدید سردی میں گرم پانی سے غسل یا وضو کرتے ہیں۔

بادشاہوں کے پاس بڑے ماہر باورچی ہوتے تھے۔ جو ان کے لیے انواع و اقسام کے کھانے پکاتے تھے۔ مگر آپ کو اب باورچی رکھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے گھر کے قرب و جوار میں فرنچ ریسٹورنٹ موجود ہیں۔ آج آپ چائنیز کھانا کھانا چاہتے ہیں یا انڈین، آپ عربی کھانے میں رغبت رکھتے ہیں یا کشمیری چائے آپ کو پسند ہے۔ آپ کے اپنے شہر میں یہ ساری سہولتیں موجود ہیں۔ اب امریکا کا برگر کھانے کے لیے آپ کو تھوڑی سی ڈرائیونگ کی ضرورت ہے۔

زمانہ قدیم میں بادشاہوں نے اپنے جسم کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے خصوصی بندوبست کیا ہوا تھا۔ پنکھا جھلنے کے لیے خصوصی نوکر مقرر تھے۔ محلات میں چھتوں میں بڑے بڑے کنڈے لگا کر کپڑے کے بڑے بڑے پنکھے لٹکے ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ رسی لٹک رہی ہوتی تھی۔ جسے ملازم بڑی

مہارت سے کھینچا کرتے تھے اور اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہوا آتی تھی۔ مگر آج کتنی سہولتیں میسر ہیں۔ محض ایک بٹن دبانے سے پنکھا پوری رفتار سے چلنے لگتا ہے۔ آپ کو ہوا تیز چاہیے یا آہستہ، بٹن آپ کی خدمت پر مامور ہے۔ بٹن کو حرکت دینے سے پنکھا تیز یا آہستہ چلنے لگتا ہے۔ بات صرف پنکھے تک محدود نہیں بلکہ اب ائرکولر میسر ہیں۔ ائرکنڈیشن نے مزید آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اب تو گھروں اور دفتروں میں سنٹرل ائیرکنڈیشن کی بدولت یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہوا کہاں سے آ رہی ہے۔ شدید گرمی میں بھی دفتر اور گھر اتنے ٹھنڈے اور یخ ہو جاتے ہیں کہ جسم کو سردی لگتی ہے۔ اگر مضمون کی طوالت کا ڈر نہ ہو تو آپ کو ایسی کتنی ہی مثالیں دے سکتا ہوں۔ کیا واقعی ایسا نہیں کہ ہم ان بادشاہوں کے مقابلے میں نہایت بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی زندگی سے خوش نہیں۔ ہم سعادت مند نہیں۔ ہم غمگین ہیں۔ ہم پریشان حال ہیں۔ ہم ہر وقت شکوہ کرتے رہتے ہیں۔

ہماری حالت یہ ہے کہ جس کے پاس چھوٹی گاڑی ہے وہ بڑی گاڑی والے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میرے لیے بڑی گاڑی کیوں نہیں۔ جس کے پاس پرانے ماڈل کی گاڑی ہے وہ نئے ماڈل کی گاڑی کی حسرت کرتا ہے۔ جس کے پاس اچھی گاڑی ہے وہ سوچتا ہے کہ اس کے پاس ہیلی کاپٹر ہونا چاہیے کیونکہ اس سوسائٹی میں بعض لوگوں کے پاس اپنے خاص جیٹ طیارے موجود ہیں۔ جس کے پاس اپنا طیارہ ہے وہ حقد، حسد اور کینے سے کہیں مر نہ جائے وہ کہتا ہے کہ دنیا کے امیر ترین شخص اونالیس کے پاس تو اپنا ائیرپورٹ ہے۔ ہم میں کتنے ہی ایسے بدقسمت ہیں جن کی اپنی خوبصورت اور نیک اخلاق و کردار والی بیوی موجود ہے مگر وہ دوسروں کی بہو، بیٹیوں پر نظریں ڈالتے ہیں۔ اور پھر آخر میں آپس میں قتل و غارت کرتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب حسد اور حقد ہے۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث سناؤں ایک مختصر سا واقعہ پڑھتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: کیا ہم مہاجرین کے فقراء میں سے نہیں؟ ممکن ہے کہ وہ کوئی مالی تعاون چاہتا ہو۔ کہنے لگے کہ کیا تمھاری بیوی ہے جس کے ساتھ تم رہتے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا: جی۔ سیدنا عبداللہ نے پوچھا کہ کیا تمھارے پاس رہنے کے لیے گھر ہے؟ جواب دیا کہ ہاں میرے پاس اپنا گھر بھی ہے۔ سیدنا عبداللہ اسے کہنے لگے: پھر تو تم امیر لوگوں میں سے ہو۔ وہ شخص کہنے لگا کہ حضرت! میرے پاس تو خادم بھی ہے۔ تو سیدنا عبداللہ نے فرمایا: پھر تو تم بادشاہ ہو۔

قارئین کرام! میں کتنے ہی لوگوں سے ہر روز ملاقات کرتا ہوں۔ ہم میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ آپ کے حالات کیسے ہیں؟ تو وہ عموماً حالات، کاروبار اور اپنے مکان کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔ حکومت کو کوستے ہیں۔ اسے جلی کٹی سناتے ہیں۔ بہت کم ملازمین ہوتے ہیں جو اپنے مالک سے خوش نظر آتے ہیں۔ آیئے ہم اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث پڑھتے ہیں اور پھر ہم آنکھیں بند کر کے اپنا جائزہ لیں تو ہم کہہ اٹھیں گے کہ ہم بڑے خوش قسمت ہیں، ہم تو قیصر و کسریٰ سے بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ» کہ جس شخص نے اپنے اہل و عیال، اپنے گھر والوں میں اس حالت میں صبح کی کہ وہ حالتِ امن میں تھا، یعنی اسے یہ خوف نہ تھا کہ کوئی اسے قتل کر دے گا یا اس کے گھر کو کوئی لوٹ لے گا، اس کے گھر میں کوئی چوری کرے گا یا اس کی عزت کو خطرہ ہے۔ «مُعَافًى فِي جَسَدِهِ» جسمانی اعتبار سے بالکل صحیح اور تندرست ہے۔ «عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ» اس کے پاس اس دن کے لیے کھانے پینے کا سامان ہو «فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا» تو گویا اسے دنیا بھر کی بادشاہت مل گئی۔ (جامع الترمذي: 2346)

قارئین کرام! آیئے ہم اپنا جائزہ لیں کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے پاس یہ ساری چیزیں صرف ایک دن کے لیے نہیں بلکہ کئی دنوں کے لیے وافر مقدار میں ہیں۔ پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نہایت خوش قسمت ہیں اور قیصر و کسریٰ سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے اندر صرف ایک خامی، ایک کمزوری اور ایک کمی ہے اور وہ ہے صبر و شکر کی کمی ورنہ ہم اپنے طور پر بادشاہ ہیں۔

قرآنِ مبین اور 15 خواتین







محمد نعمان فاروقی
(ریسرچ فیلو، دارالسلام)

8 مارچ عالمی یومِ خواتین پر اہم پیغام..... بنت حواء کے نام

خواتین ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر بنتی سنورتی ہیں اور انھیں یہ حق حاصل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج انھیں قرآن کے آئینے کے سامنے بٹھاؤں تاکہ وہ قرآن کے آئینے میں اپنا جائزہ لیں اور اپنی اداؤں کی اصلاح کریں۔ اگرچہ مردوں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے مگر آج موضوع خواتین ہیں۔

ایسی خواتین جنھوں نے رب کی رضا کے لیے زندگی کے لمحات گزارے اللہ نے ان کے ناموں اور کارناموں کو زندہ رکھا۔ بجا طور پر انسانیت کو اور خصوصاً خواتین کو ایسی بلند بخت خواتین پر فخر ہے جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ یہ وہ خواتین نہیں جنھوں نے کوئی انوکھے کام کر کے ریکارڈ بنائے ہوں اور ''گنیز بک'' میں ان کا نام آیا ہو، نہ یہ ایسی خواتین ہیں جن کے حسن کے بہت چرچے تھے۔ اس کے باوجود قرآنِ مجید نے انھیں زندہ رکھا۔ صدیاں بیت گئیں مگر ان کے چرچے آج بھی ہو رہے ہیں۔ چرچے بھی اخبار، ٹیلی ویژن، میڈیا، پریس کلب، تھیٹروں یا ہالوں میں نہیں بلکہ تمام مساجد میں، حرم مکی میں اور حرم مدنی میں، کبھی نماز کے دوران اور کبھی عام حالات میں۔

تو لیجیے ہم ان خواتین کا مختصر تذکرہ اور ان کی نمایاں خوبیوں کا اظہار کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔

① **سیدہ حواء علیہا السلام**: انسانیت کی ماں حواء علیہا السلام ابو البشر آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ ائمہ مفسرین نے لکھا ہے: ''جب آدم علیہ السلام جنت میں رہائش پذیر ہوئے تو وہاں چلتے پھرتے وحشت و تنہائی محسوس کرتے تھے (گویا صنف مخالف کے بغیر جنت بھی ان کے لیے وحشت کا مقام تھی) ان کا کوئی ہمسفر نہ تھا۔ وہ آرام کرنے لگے۔ بیدار ہوئے تو انھوں نے اپنے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی دیکھی، جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا تھا، آدم علیہ السلام ان سے پوچھنے لگے: ''تم کون ہو؟'' وہ کہنے لگیں: عورت! وہ پوچھنے لگے: تمھیں کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ کہنے لگیں: ''اس لیے کہ آپ کے سکون کا باعث بنوں۔'' (الدر المنثور، البقرۃ، آیت (35) کے ذیل میں) عورت کے باعث سکون ہونے کا تو قرآن نے بھی تذکرہ کیا ہے۔

جی ہاں! عورت کا مقصد یہی ہے کہ وہ مرد کے لیے سکون کا باعث بنے۔ اگر بیٹی ہے تو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، بیوی ہے تو گھر اور خاوند کے سکون کا باعث بنے، ماں ہے تو بچوں کے لیے مہربانی و شفقت کا سراپا بن جائے۔ جو عورت سکون کا باعث نہ بن سکے وہ اپنی تخلیق کے ایک اہم مقصد سے ناآشنا ہے۔

② **سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ**: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہ تھیں اور دوسری ''ہاجر'' جنھیں



ہاجرہ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سیدہ سارہ کا ذکر ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے قومِ لوط کی ہلاکت کی خبر لائے۔ ان کی اہلیہ سارہ (وہاں) کھڑی تھیں تو وہ ہنسنے لگ گئیں، تو ہم نے انھیں اسحاق اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگیں میں عمر رسیدہ ہوں اور میرے سرتاج بھی ادھیڑ عمر ہیں، میں کہاں اس قابل! یہ بڑی عجیب بات ہے!! فرشتے کہنے لگے: کیا آپ کو اللہ کے حکم پر تعجب ہے؟ اے اہل بیت! آپ پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ (دیکھیے ھود 11:69-73) سیدہ سارہ کا ہنسنا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ اُسے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا۔ سارہ کیوں ہنسی تھیں؟ جس قدر ایمان دل میں سمایا ہو اسی قدر انسان کفر و شرک، فسق و فجور اور فحاشی و عریانی دیکھ کر کڑھتا ہے اور جب ایسے لوگ اپنے انجام کو پہنچیں تو اسی قدر خوشی ہوتی ہے۔ یہی سارہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کا باعث تھا۔ مگر ہماری خوشیوں کے اسباب بھی اور ہیں اور انداز بھی مختلف۔

③ امرأة عمران: ''عمران کی اہلیہ۔'' قرآن مجید کا یہ اسلوب بھی بڑا قابل غور ہے کہ اس نے خواتین کے تذکرے میں فلاں کی اہلیہ، فلاں کی بہن، فلاں کی ماں، یعنی کنیت کا اظہار کیا ہے، جیسے امرأة العزيز، امرأة عمران، اختك، يا اخت هٰرون، أم موسىٰ۔ شاید اس میں یہ وجہ ہے کہ عورتوں کے نام بھی پرکشش ہوتے ہیں اس لحاظ سے پڑھنے والوں کی توجہ اس جانب نہ جائے۔ بہر حال یہ ہیں عمران کی اہلیہ۔ ان کی عظمت تو یہ ہے کہ امید سے ہونے کے بعد انھوں نے جو کچھ بھی تھا اسے اللہ کے لیے وقف کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہی مرحلہ جس میں خواتین بہت کچھ سوچتی ہیں اور لمبے لمبے منصوبے بنتے ہیں۔ ان کے سامنے بس ایک ہی منصوبہ تھا کہ ہونے والے بچے کو اللہ کے لیے وقف کر دوں۔ کیسی عمدہ سوچ اور کیسا مثالی انداز تھا۔ خصوصاً ان خواتین کے لیے جو اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم اس لیے نہیں دلواتیں کہ ان کا وقت ''رائیگاں'' جائے گا۔ یا ان کی دنیوی تعلیم میں حرج ہوگا۔ جس طرح صبح سویرے ہر کوئی اپنے بچوں کو تیار کر کے سردی اور گرمی کے موسم میں سکول چھوڑنے جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی تعلیم کا بھی یہ اہتمام ہوتا ہے؟ آخر کیوں نہیں!!

جو ماں امید سے ہونے کے ساتھ ہی اپنے ہونے والے بچے کے متعلق اس قدر اچھے جذبات رکھتی ہو وہ تربیت میں کیا کمی کرے گی تبھی تو اللہ نے انھیں مریم بنت عمران سے نوازا۔

④ سیدہ مریم بنت عمران علیہا السلام: عمران کی اہلیہ محترمہ جب امید سے ہوئیں تو انھوں نے نذر مانی کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ اللہ کے لیے آزاد (وقف) ہوگا۔ (آل عمران 3: 35) جب بچے کی ولادت ہوئی تو وہ لڑکی تھی۔ اور یہی مریم بنت عمران تھیں۔ قرآن نے انھیں ''صدیقہ'' کا خطاب دیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دو باکمال خواتین میں سے ایک قرار دیا۔ ان کے علاہ دوسری خاتون فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔ (دیکھیے صحیح البخاري: 3411) نیکی و تقویٰ، عفت و پاکدامنی اور شرم و حیا کا یہ پیکر ایسے جلیل القدر مقام پر فائز ہوئیں کہ قرآنِ مجید میں ان کے نام کی ایک سورت ہے اور قرآنِ مجید میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر مختلف حوالوں سے ملتا ہے۔ کہیں ان کی ولادت کا ذکر ہے تو کہیں ان کی کفالت کا، کہیں ان کی کرامات کا ذکر ہے تو کہیں ان کے بلند خیالات کا، کہیں نام لے کر ان کو خطاب کیا گیا اور کہیں انھیں بشارات سے نوازا گیا، کہیں انھیں صدیقہ قرار دیا گیا اور کہیں ان سے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا تفصیلی ذکر کیا گیا۔ سیدہ مریم علیہا السلام میں اس قدر خوبیاں، امتیازات کیونکر پیدا ہوئے آیئے ان کا سرسری جائزہ لیں!

سیدہ مریم کی والدہ محترمہ اس وقت بھی ان کے لیے نیک جذبات رکھتی تھیں جب یہ ابھی دنیا میں نہیں آئی تھیں، یعنی اولاد کے نیک ہونے میں والدین کی نیکی اور اچھے جذبات و احساسات کا بڑا دخل ہے۔

یہ راست گو تھیں۔ ہمیشہ سچ بولنا، سچائی کو اختیار کرنا، سچوں ہی کا ساتھ دینا اور سچائی ہی کو تلاش کرنا یہ ہے مقام صدیقیت جو انھیں نصیب ہوا۔ عبادت ایسی کہ گھر کی ایک جانب عبادت کی جگہ بنا لی مگر راہبہ (نن) بن کر نہیں۔ جی ہاں! عبادت کے لیے۔ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ گھر والوں سے بچ کر انٹرنیٹ اور SMS کرنے کی طرز پر اُس دور کی مشغولیات کے لیے۔ ناں ناں ایسا کوئی تصور بھی نہیں۔ عفت اور پاکدامنی کا یہ عالم تھا کہ فرشتہ انسانی شکل میں سامنے آیا تو اس سے بچاؤ کے لیے اللہ کی پناہ مانگنے لگیں۔ عزت و ناموس کا اس



قدر خیال کہ ولادتِ عیسیٰ کے بعد یہ اظہار کرنے لگیں کہ میں اس سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتی اور بھولی بھلائی ہو جاتی، یعنی اب میں کس منہ سے لوگوں کے سامنے جاؤں گی۔ یہ ہیں وہ چند ایک خصائص جو مریم علیہا السلام کو انتہائی بلند مقام پر لے گئے۔ صدیقیت، عفت، جوانی کے عالم میں کمال عبادت، اپنی اور والدین کی عزت و آبرو کا ازحد خیال، شرم وحیا کا پیکر۔ یہ تھیں مریم، جن کے نام پر بہت سی خواتین کے نام ہیں۔

⑤، ⑥ دو بہنیں: موسیٰ علیہ السلام مدین جاتے ہوئے مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کا ہجوم دیکھا جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ دو عورتیں سب سے ہٹ کر ایک طرف اپنے جانور روکے کھڑی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کا کیا مسئلہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو واپس نہ لے جائیں ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے ابوجان عمر رسیدہ ہیں، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں بہنوں کے جانوروں کو پانی پلایا اور ایک سائے والی جگہ پر واپس آ گئے اور اللہ سے دعا کرنے لگے کہ میرے رب! تو جو میری طرف نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔ اتنے میں ان دونوں میں سے ایک بہن شرم و حیا سے چلتی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی: میرے ابو جان آپ کو پانی پلانے کی اجرت دینے کے لیے بلا رہے ہیں، تو جب موسیٰ علیہ السلام ان کے والد کے پاس پہنچے اور یہاں آنے کا سارا قصہ کہہ سنایا تو وہ (سن کر) کہنے لگے: آپ گھبرائیں مت۔ آپ نے ظالم قوم سے نجات پا لی ہے۔ اب ان دونوں میں سے ایک بہن کہنے لگی: ”ابا جان! انھیں اجرت پر رکھ لیجیے۔ بلاشبہ جسے آپ اجرت پر رکھیں گے وہ طاقتور اور امانت دار ہی ہے۔“ (دیکھیے سورۃ القصص، مفہوم آیات 23-26)

بہت سی لڑکیاں حیا دار بھی ہوتی ہیں، والدین کا ہاتھ بھی بٹاتی ہیں، اچھے مشورے بھی دیتی ہیں، زیرک اور دانا بھی ہوتی ہیں اور ظاہر ہے نزول قرآن اور اس سے پہلے کے ادوار میں بھی ایسی مایہ ناز لڑکیاں بھی گزری ہوں گی مگر اللہ نے ان دو بہنوں کا تفصیلی تذکرہ اس امت کے لیے بطور مثال بیان کیا ہے۔ ان میں کیا ایسی خوبی تھی؟ ہم چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اپنے والد کا ہاتھ بھی بٹا رہی ہیں مگر ہم عمر لڑکوں سے خوش گپیاں لگاتے ہوئے نہیں، ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر نہیں بلکہ ایک طرف کھڑی ہیں، مخلوط تعلیم تو رہی درکنار یہ تو چند لمحوں کے لیے بھی مردوں کے ساتھ نہیں رہتیں، حالانکہ جب کئی لوگ موجود ہوں تو غلط ذہن رکھنے والے بھی محتاط ہوتے ہیں پھر بھی یہ علیحدہ کھڑی رہتیں اور جب سب پانی پلا کر چلے جاتے تو یہ پانی پلاتیں۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہوں گی، ہم انسان نہیں؟ انھوں نے ”لیڈیز فرسٹ“ کا نعرہ بھی نہیں لگایا۔ اگرچہ یہ بظاہر عمدہ نعرہ ہے مگر اس کے پہلو میں کئی قباحتیں ہیں۔

پھر دیکھیے کہ دونوں نے ایک ہی جواب دیا۔ قرآن نے اسے ”قالتا“ سے تعبیر کیا ہے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ جھوٹ پر ہوں ان کے بیانات بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ان میں ایسی کوئی مکاری نہیں تھی۔ پھر یہ بھی کہ انھوں نے کمال دانشمندی سے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اٹھنے والے سوال کا جواب بھی دے دیا کہ ممکن ہے وہ سوال کریں کہ کوئی مرد نہیں ہے جو یہ کام کرے، لہٰذا انھوں نے واضح بتا دیا کہ ہمارے والد عمر رسیدہ ہیں (اور ہمارا بھائی بھی نہیں) اس وجہ سے ہمیں خود ہی آنا پڑتا ہے۔ یہ نہیں کہ گھر میں ہر قسم کی نعمت موجود ہے، پیسے کمانے کی ضرورت بھی نہیں، والد بھی کماتے ہیں، بھائی بھی اچھی ملازمت کرتے ہیں پھر بھی ایک شوق سوار ہے کہ بن سنور کر نکلوں بینک میں جا کر بیٹھوں طرح طرح کے لوگ، طرح طرح کی نظروں سے دیکھیں اور.....۔

حیا عورت کا زیور ہے۔ شرم وحیا سے عاری عورت لاکھوں کا زیور پہن کر بھی اس مقام کو نہیں پا سکتی جس کو ایک باحیا خاتون مفت میں حاصل کر لیتی ہے۔ اللہ کو اس لڑکی کا حیا سے چلنا اس قدر پسند آیا کہ اللہ نے اس ادا کو قرآن مجید کا حصہ بنا دیا۔ یہ حکم رہتی دنیا تک کی خواتین کو حیا کی چادر اوڑھنے کی تلقین کرتا رہے گا۔ مگر بے حیائی کے اس بڑے سیلاب کے سامنے حیا کی یہ ترغیب کیا معنی رکھتی ہے۔ یقیناً جو خواتین اپنے خالق کو پہچانتی ہیں ان کے سامنے اس مختصر سے جملے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

والدین کو اچھا مشورہ دینا بھی اچھی عادت



ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قصے میں جن پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشورے میں برکت ڈالی اور ان میں سے ایک بہن پیغمبر وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اہلیہ بن گئی۔

⑦ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ: فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرا دیتا تھا کہ کہیں اس کے اقتدار کا تختہ الٹ نہ جائے۔ اسی دوران بنی اسرائیل کے ایک فرد عمران کے ہاں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ گھر والوں کو انھیں تحفظ دینے کا مسئلہ درپیش تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم نے ام موسیٰ کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اسے دودھ پلاؤ تو جب تمھیں ان کے بارے میں خدشہ ہو تو انھیں دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا کوئی خوف یا غم نہ کرنا۔ بے شک میں انھیں تمھاری طرف لوٹاؤں گا اور انھیں پیغمبروں میں سے بناؤں گا۔'' (قصص 7:28) دوسری جگہ فرمایا: ''ان (موسیٰ علیہ السلام) کو ایک صندوق میں رکھو اور صندوق دریا میں ڈال دو، دریا اسے خود ہی ساحل تک لے آئے گا اور میرا اور اس کا دشمن اسے لے لے گا۔'' (طٰہٰ 39:20) قصہ گوئی مقصود نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ام موسیٰ کا اپنے رب کے حکم پر کس قدر کامل یقین ہے۔ حکم الٰہی کے سامنے کوئی تحفظات ہیں نہ اشکالات، نہ چونکہ نہ چنانچہ، نہ ''لہٰذا'' نہ ''پھر'' نہ یہ کہ اگر میں نے اسے دریا ہی میں ڈالنا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ یہ میری نظروں کے سامنے ہی ختم ہو جائے تا کہ مزید پریشانی تو نہ ہو۔ ایسا کوئی خیال یا خدشہ تک نہیں رہا۔ آج کل کی مغرب زدہ خاتون مغربی تہذیب سے متاثر عورت اپنے رب کے کتنے احکام کو اپنی ناقص عقل کی بنیاد پر ٹھکرا دیتی ہے۔ ام موسیٰ کی یہ عظیم قربانی ایسی خواتین کے لیے مشعل راہ ہے۔

یہ اتنی عظیم خاتون تھیں کہ اللہ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا خیال رکھا، فرمایا: ﴿كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ (طٰہٰ 40:20)

⑧ موسیٰ علیہ السلام کی اہلیہ: اگرچہ پہلے ان کا سرسری تذکرہ ہو گیا ہے مگر وہ اور حیثیت سے تھا اب یہ جلیل القدر پیغمبر کی اہلیہ بن چکی ہیں۔ اب یہ قرآن مجید کے اس عمدہ پیرائے میں پروئی گئی ہیں: ﴿وَسَارَ بِأَهْلِهِ﴾ ''اور موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر چلے۔'' بہت سی خواتین بڑے بڑے نامور شوہروں کے عقد میں آتی ہوں گی مگر ان کے نصیب کے کیا کہنے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے عقد میں آئیں اور خصوصاً وہ خواتین جو امام الانبیاء کے عقد میں آئیں۔ یہاں ضیائے حدیث کے صفحات اجازت نہیں دیتے وگرنہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا تفصیل سے تذکرہ کیا جاتا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر چلے تو راستے میں کوہ طور کی ایک جانب آگ دیکھی تو اپنی اہلیہ سے کہنے لگے: ''تم یہاں ٹھہرو! شاید میں وہاں سے کوئی خبر یا کوئی انگارا ہی لے آؤں تا کہ تم تاپ لو۔'' (القصص 29:28) بیویوں میں ایسا صبر اور تحمل ہی ہونا چاہیے۔ جو خاوند ان کے لیے، ان کے بچوں کے لیے یا اپنے کسی کام کے سلسلے میں نکلتے ہیں تو ان کا تعاون کریں انھیں پریشان نہ کریں۔ مگر یہ اس صورت میں ہے جب تھوڑا بہت کام ہو۔ رہے وہ لوگ جو عرصہ دراز کے لیے اپنے گھر والوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں ان کا یہ طرز عمل شرعی اور اخلاقی طور پر محلِ نظر ہے۔

⑨ موسیٰ علیہ السلام کی بہن: موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا تذکرہ قرآن مجید میں ایک جھلکی کے طور پر اچانک آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جب آپ کی بہن (صندوق کے ساتھ ساتھ) چل رہی تھی اور (فرعون کے محل میں پہنچ کر) کہہ رہی تھی: کیا میں اس کے متعلق تمھاری راہ نمائی نہ کروں جو اس (موسیٰ علیہ السلام) کی کفالت کرے۔'' (طٰہٰ 40:20) بہن بھائی ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی یہ بہن اس صندوق پر نظر رکھے ہوئے منزل تک جا پہنچی جس میں ان کا بھائی محفوظ تھا۔ بھائی کے لیے کتنی قربانی دی۔ اس کی اپنی جان کو بھی خطرہ لاحق تھا۔ اس کے مشورہ دینے پر کوئی فرعونی اس سے پوچھ سکتا تھا کہ تمھیں کیسے علم ہے کہ فلاں گھر میں اس کی کفالت ہو سکتی ہے۔ پھر دریا کے ساحل سے گزرتے ہوئے غیر محسوس انداز سے نظر رکھنا انتہائی حساس معاملہ تھا۔ جو بہنیں اپنے بھائیوں کا اور بھائی اپنی بہنوں کا خیال نہیں رکھتے، خصوصاً اس عہد میں جس میں ہر کسی کو اپنی ہی پڑی ہے اور ایک دوسرے کے درد سے نا آشنا ہیں، ایسے حالات میں موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی قربانی بڑی شاندار مثال ہے۔ یہ تعلق اور رشتے داریاں اللہ نے بنائی ہیں ان کو اچھے انداز سے نبھانا اور قربانیاں دینا ہمارا قرآن ہمیں سکھاتا ہے۔



⑩ ملکہ سبا: سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں، جنوں اور پرندوں وغیرہ پر حکومت دی تھی۔ ان سب کے لشکر اکٹھے کیے جاتے اور انھیں (صف بندی کے لیے) علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جاتا۔ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو فرمانے لگے: مجھے کیا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ پا رہا! یا وہ یہاں موجود نہیں۔ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا یا پھر وہ کوئی معقول عذر پیش کرے گا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہدہد (آ کر) عرض کرنے لگا: میں نے اس بات کا سراغ لگایا ہے جس کا آپ کو بھی نہیں پتا۔ میں ''سبا'' (علاقے) سے ایک پکی خبر لایا ہوں (وہ یہ ہے کہ) میں نے ایک عورت دیکھی ہے جو سبا والوں پر حکومت کر رہی ہے اور اسے بہت سارے وسائل سے نوازا گیا ہے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں ..... سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''میرا یہ خط ان تک پہنچانا پھر ان سے ایک طرف ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔'' (معزز قارئین سے گزارش ہے کہ یہاں سورۂ نمل کی آیت 29 سے 44 تک کا ترجمے والے قرآن مجید سے مطالعہ کریں اور بقیہ مضمون اس کے بعد پڑھیں) ملکہ سبا بڑی سمجھدار، زیرک اور دانا خاتون تھی۔ دیکھنے والی چیز تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور اسے (اللہ کی عبادت سے) اس چیز نے روکا ہوا تھا جو وہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتی تھی۔'' (النمل 43:27) غیر اللہ کی پرستش اللہ کی عبادت کی طرف آنے نہیں دیتی، غیروں کے نظام اللہ کے نظام کی طرف آنے نہیں دیتے مگر جب اللہ چاہے ایمان والوں کو ان پر فوقیت دے کر ایسے لوگوں کو ایمان کی دولت سے آراستہ کر سکتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ جو غلطی سرزد ہو یا غلط نظریات اور موقف بنائے ہوں دلیل آ جانے کے بعد ان کو خیر باد کہہ دیا جائے اور اقرار کیا جائے کہ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

کیا ملکہ سبا کے قبول اسلام کے بعد اس کی عزت میں کوئی کمی آئی؟ نہیں اس کی عزت اس قدر بڑھی کہ اس کا نام اور کارنامہ قرآن مجید میں محفوظ ہے اور رہتی دنیا تک پڑھا جاتا رہے گا۔ خواتین کے لیے بہت بڑا سبق ہے کہ دنیوی عہدے اور جھوٹی شہرتیں اس حیات جاودانی کے سامنے کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ اسلام سے وابستہ رہنا اور اسلامی احکامات پر عمل کرنا محض غریب یا متوسط طبقے کی خواتین کا کام ہے بلکہ اچھے نسب والی اور اچھے گھرانوں کی پڑھی لکھی خواتین کے لیے بھی اسلام پر چلنا کسی سعادت سے کم نہیں۔

⑪ فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا: اللہ کی قدرت ہے کہ اتنے بڑے باغی کی اہلیہ ایمان لے آئیں اور فرمانِ نبوی کے مطابق کمال درجے پر فائز ہوئیں۔ قصہ مختصر فرعون ہر چیز چھین سکتے ہیں مگر ایمان نہیں۔ اور ایسی خواتین موجود ہیں جو ایمان کو اپنی جان سے بھی قیمتی سمجھتی ہیں۔ وہ عورت جو صنف نازک شمار ہوتی ہے جب زیور ایمان سے آراستہ ہوتی ہے تو فرعونوں کے مقابلے میں بھی ڈٹ جاتی ہے۔ اس کی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس دور کی عافیہ نے بھی پہلے دور کی آسیہ کی مثال کو زندہ کیا۔ اس میں سبق تو ان خواتین کے لیے ہے جو کمزور اور ٹمٹماتے ایمان کے ساتھ جیتی ہیں اور تذبذب کا شکار رہتی ہیں۔ جن کے اپنے ایمان کی یہ کیفیت ہو بھلا وہ اپنے بچوں کی تربیت کس ایمان اور عمل پر کریں گی.....!! بچوں میں ایمان کے ایسے بیج بوئیں کہ اس کے ثمر سے زمانے والے اس طرح مستفید ہوں جس طرح مشاہیرِ عالم سے لوگ مستفید ہوتے رہے۔ ہم اپنے سلف صالحین کے جو نام سنتے اور لیتے ہیں اس دور میں اس جیسے نام کیوں نہیں سامنے آتے؟ اس میں پہلی درسگاہ کا بھی قصور ہے!!

آسیہ رضی اللہ عنہا ایک مثالی خاتون بن کر ابھریں اور ان کی مثال اللہ نے قرآن مجید میں دی اور محض خواتین کے لیے نہیں بلکہ سب ایمان والوں کے لیے انھیں مثال قرار دیا۔ اللہ فرماتے ہیں: ''اور اللہ ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے جب اس نے دعا کی: میرے رب! جنت میں اپنے پاس میرا گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور ظالم قوم سے بھی نجات دے۔'' (التحریم 11:66) یقیناً اللہ سے مضبوط تعلق ہی فرعونوں کے مقابلے میں ڈٹ جانے کی ہمت دیتا ہے۔ فرعون اور اس کے عمل سے نجات کی دعا میں آج کی خواتین کے لیے درس



ہے کہ وہ بھی وقت کے فرعونوں اور ان کی کارگزاریوں، پالیسیوں، منصوبوں میں کسی طور پر کام آنے سے بچنے کی دعا کریں۔ یہ نہ ہو آپ کی تعلیم، آپ کا رہن سہن کسی فرعون کی تائید کرے۔ ناں ناں ہرگز ایسا نہ ہونے دیں۔ اس صورت میں فرعون آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مگر یہ سب کچھ عارضی ہے جبکہ آسیہ کا محل تو جنت میں پیغمبر ﷺ نے بھی دیکھ لیا تھا۔

⑫ امرأۃ العزیز (عزیزِ مصر کی بیوی): سورۂ یوسف میں ان کا تفصیل سے ذکر ہے کہ انھوں نے کس طریقے سے یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی اور کتنے جتن کیے مگر اللہ تعالیٰ نے کیسے محفوظ رکھا۔ قابل غور بات تو یہ ہے کہ شادی سے قبل جس طرف میلان ہو اپنے ولی کی نگرانی میں اچھے انداز سے مسنون طریقے سے اسے اپنا لینا چاہیے اور شادی ہو جائے تو اس کو اچھے انداز سے نبھانا چاہیے، پھر مختلف ہتھکنڈے، خلافِ شرع معمولات، مکر و فریب زیب نہیں دیتے۔ اس طرح شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں اور گھر اجڑتے ہیں۔ اچھی عورت وہ ہے جو کسی بھی مرحلے میں مکر و فریب سے کام نہ لے۔ اللہ تعالیٰ نے امرأۃ العزیز کے قصے میں اس کا اپنا جو بیان درج کیا ہے اس میں اس کے مکر اور ورغلانے کا اعتراف بھی ہے اور اس چیز کا اظہار بھی کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر نہیں چلنے دیتا۔'' (یوسف 52:12) مکر کرنے سے عورت کی عزت میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی عزت میں فرق آتا ہے۔ مگر ایسی عورتوں کو ہم آج کل کی اصطلاح میں ''سیانی عورت'' کے نام سے جانتے ہیں۔

⑬ سیدنا نوح علیہ السلام کی اہلیہ: سیدنا نوح علیہ السلام کی رفاقت بھی ان کی اہلیہ کو راہ راست پر نہ لا سکی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے اس کی اور لوط علیہ السلام کی اہلیہ کی مثال بیان کی ہے کہ یہ ہمارے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں، انھوں نے ان دونوں کی خیانت کی اور وہ دونوں پیغمبر بھی اللہ کے مقابلے میں ان کو کچھ فائدہ نہ دے سکے اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔'' (التحریم 10:66)

⑭ سیدنا لوط علیہ السلام کی اہلیہ: اس کے لیے قرآنِ مجید نے ﴿مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی پیچھے رہنے والوں میں سے۔ سیدنا لوط علیہ السلام کے عقد میں تھی پھر بھی پیچھے رہنے والوں کی فہرست میں آ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو اللہ نے نجات دی اور یہ ''بڑھیا'' پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ جس کو اس کے عمل پیچھے چھوڑ دیں اس کا نسب یا اس کے بہترین تعلقات اسے آگے نہیں لے جا سکتے۔

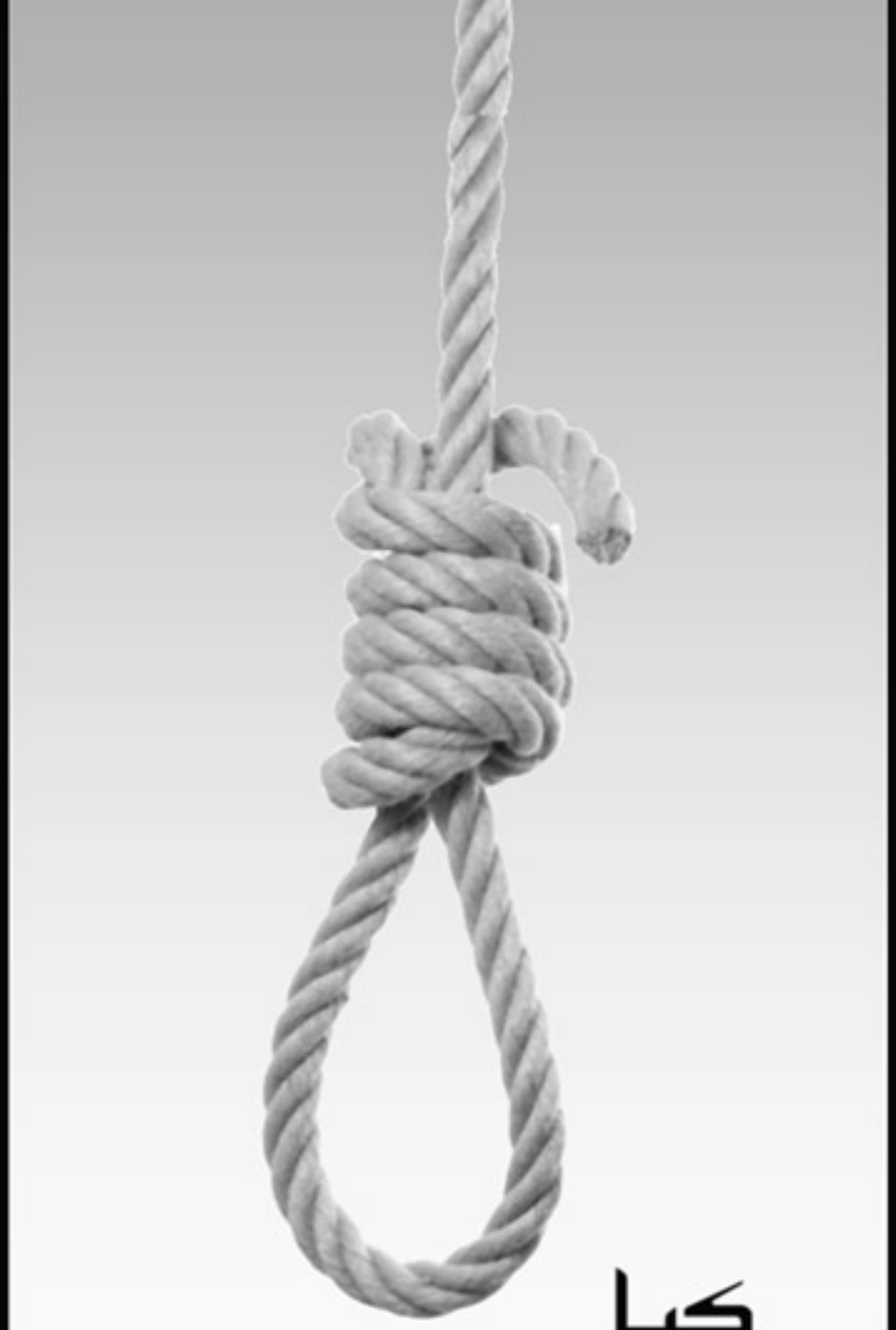
کئی خواتین بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفار کے کام آتی ہیں ایسا نہ ہو ان کا شمار مسلمانوں کے بجائے انھی میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی مثالیں دکھاتا رہتا ہے۔ میں نام نہیں لیتا مبادا کسی کو ''ملال'' ہو۔

⑮ ابولہب کی بیوی: سورۂ لہب میں اللہ نے فرمایا ہے: ''اور اس (ابولہب) کی بیوی بھی (جہنم میں جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے اور اس کی گردن میں رسی ہو گی چھال کی بٹی ہوئی۔'' ایسی خواتین بھی ہوتی ہیں جو اپنے خاوند کی غلط سلط ہر قسم کی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ دیتی ہیں یہ بدنصیب بھی ایسی ہی تھی۔ یہ اور اس کا خاوند رسول اللہ کی ایذا رسانی کا باعث بنتے تھے۔ خاوند کا ساتھ دینا چاہیے مگر اچھے کاموں میں جن کی شریعت میں اجازت ہے اور جہاں خالق کی معصیت لازم آئے تو تعاون سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔

سیدنا نوح، سیدنا لوط علیہما السلام کی بیویاں اور ابولہب کی بیوی رب کے حضور پہنچ چکیں۔ وہ حسرت کرتی ہوں گی کہ کاش ہم ایسا نہ کرتیں اور ایسا کرتیں مگر اب ان کی حسرت اور افسوس ان کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ دوسری طرف پہلی 12 خوش نصیب خواتین کا ذکر ہوا جنھوں نے اللہ کے ہاں خصوصی مقام و مرتبہ پایا۔ امرأۃ العزیز نے بھی اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور یہی توبہ ہے، لہٰذا میں نے ان کا نام بھی پہلی 12 خواتین میں درج کیا ہے۔ یہ 12 خواتین کس قدر عزت و اکرام کے گھر میں اقتدار کے مالک اللہ کے پاس ہوں گی۔

دور حاضر کی خواتین کے سامنے پہلی بارہ خواتین کی مثال بھی ہے اور آخری تین خواتین کی بھی۔ اب فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہے جسے وہ اپنے لیے بہتر سمجھتی ہیں اسے اختیار کر لیں۔

نوٹ: جن صحابیات یا خواتین کا ذکر اسباب نزول کے تحت آیا ہے ان کا تذکرہ پھر کبھی کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔



کیا خودکشی پریشانیوں کا حل ہے؟



عبداللہ یوسف ذہبی

کسی شخص کا خود کو زہر سے یا کسی اور ذریعے سے مار ڈالنا خود کشی کہلاتا ہے۔ اسلام چونکہ انسانوں کی جان اور عزت و آبرو کا محافظ اور ضامن ہے اس لیے اسلام میں خودکشی کو جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی اللہ کی دی ہوئی امانت ہے۔ اسے ختم کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ یہ درست ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ہر زندہ وجود کو ایک دن موت کی آغوش میں جانا ہے لیکن یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی نے پیدا کیا اور وہی موت کا مالک ہے۔ انسان کو صرف جینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ زندگی جینے کے لیے ہوتی ہے ختم کرنے کے لیے نہیں۔

خود کو مار ڈالنا تو بہت دور کی بات ہے اسلام میں موت کی خواہش اور تمنا کرنا بھی جائز نہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص تکلیف کے پہنچنے پر موت کی تمنا نہ کرے اگر اسے موت کی تمنا کرنی ہی ہے تو صرف یہ دعا کرسکتا ہے کہ ''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔''

(صحيح البخاري: 5671، صحيح مسلم: 2680)

انسانی زندگی میں خوشی غمی، وسعت وتنگی، آسانی ومشکل اور خوشحالی و بدحالی کے ادوار آتے رہتے ہیں۔ ایک بندۂ مومن جس کا ذاتِ باری تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور توکل ہوتا ہے وہ ان حالات کی تبدیلی سے گھبراتا نہیں، نہ مرنے کی خواہش شروع کر دیتا ہے اور نہ جان جیسی بیش قیمت چیز اپنے ہاتھوں ضائع کرتا ہے۔ بلکہ وہ تو صبر کا دامن ہر حال میں تھامے رکھتا ہے۔ اس کے برعکس کمزور ایمان والا آدمی جس کی نظر میں زندگی اور اس کی نعمتوں کی کوئی قدر نہیں اور جس کا دامن ایمان اور عقل و ہوش سے بالکل خالی ہوتا ہے، وہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر خودکشی کو آخری اور آسان حربے کے طور پر اختیار کرتا ہے۔ یہ کام یقیناً بزدل آدمی ہی کرتا ہے جو اللہ پر ایمان کی بجائے اپنے آپ کو پیش آمدہ حالات کے حوالے کر دیتا ہے اور خیال یہ کرتا ہے کہ شاید اس نے خود کو ہلاک کر کے تمام پریشانیوں سے ''نجات'' حاصل کر لی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے دنیا کی معمولی اور عارضی



پریشانیوں سے تو چھٹکارا پا لیا لیکن آخرت کے بہت بڑے اور دائمی عذاب کو اپنے گلے لگا لیا۔ اس عذاب کی وعید اللہ رب العزت نے اپنی کتاب مبین میں اور نبی رحمت ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۝ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔ اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔''
(النسآء 294-30)

''اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' کے تین مفہوم مفسرین نے بیان کیے ہیں۔

ان میں سے ایک خودکشی بھی ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس سے مراد خودکشی بھی ہوسکتی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔ (تفسیر احسن البیان)

خودکشی کی مذمت میں بکثرت احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں ہوگا اور اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کر لی تو وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اسے اسی طرح پیتا رہے گا اور جس نے لوہے کے کسی ہتھیار سے خودکشی کی تو اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے وہ اسے اپنے پیٹ پر مارتا رہے گا۔''
(صحيح البخاري: 5778، و صحيح مسلم: 159)

سیدنا ابوہریرہ ؓ ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص خود اپنا گلا دبا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے وہ جہنم میں بھی اپنا گلا دباتا رہے گا اور جو برچھے یا تیر سے اپنے آپ کو مارے وہ جہنم کی آگ میں بھی اسی طرح اپنے آپ کو مارتا رہے گا۔'' (صحيح البخاري: 1365)

درج ذیل حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے خودکشی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے، یعنی وہ جہنم میں جائے بغیر اور اس گناہ کی سزا پائے بغیر جنت میں نہیں جا سکے گا۔

سیدنا جندب ؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص کو زخم لگا، اس نے زخم کی تکلیف کی وجہ سے خود کو مار ڈالا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی۔ میں اس پر جنت حرام کرتا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 1364، وصحيح مسلم: 113)

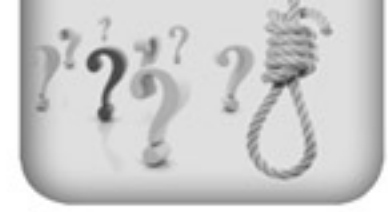
''اس نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی'' کا مطلب یہ ہے کہ موت کے مقررہ وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ روح قبض فرما لیتا ہے لیکن اس شخص نے اللہ پر توکل کرنے کی بجائے اپنے خیال میں وقت سے پہلے مرنا چاہا، حالانکہ یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ مقررہ وقت سے پہلے بھلا کوئی کیسے مر سکتا ہے۔

خودکشی کسی کے بُرے خاتمے کی دلیل ہے۔ خواہ کوئی شخص زندگی میں کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو۔ اگر وہ اس سنگین اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی ساری نیکیوں پر پانی پھر جاتا ہے اور وہ حرام موت مرتا ہے۔

صحیح بخاری میں ایک مجاہد کا ذکر موجود ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف برسرپیکار تھا اور معرکے میں بڑی دلیری اور بہادری کا مظاہرہ کر رہا تھا، آخر وہ شخص زخمی ہو گیا اور زخم اتنا شدید تھا کہ اس کے لیے برداشت سے باہر تھا، چنانچہ اس نے اپنے آپ کو مارنے کا ارادہ کر لیا اور اپنی تلوار کا پھل زمین پر رکھ کر اس کی دھار کو سینے میں گھونپ کر اپنی جان دے دی۔

اس مجاہد کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «اَمَا اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ» ''یہ شخص جہنمی ہے۔'' (صحيح البخاري: 2898، و صحيح مسلم: 112)

غور فرمایئے کہ جہاد جیسا افضل عمل کر کے اور متعدد کافروں کو قتل کر کے بھی یہ شخص جہنمی ٹھہرا۔ جرم اس کا کیا ہے؟ یہی کہ اس نے زخموں کی تکلیف کو صبر سے برداشت کرنے کی بجائے حوصلہ ہار کر خودکشی کا راستہ اپنا لیا اور جہاد کی بدولت اللہ کی جنتوں کا مہمان بننے کی بجائے جہنم کا حق دار ٹھہرا۔



نبی کریم ﷺ نے بطور سزا اور دوسروں کو اس جرم سے دور رکھنے کے لیے خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ (صحیح مسلم: 978) اس لیے اہل علم اور فضل و مرتبہ والے لوگوں کو چاہیے کہ وہ خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھیں تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ اس فعل سے باز رہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا جنازہ پڑھا ہی نہ جائے اور اس کے لیے دعائے مغفرت ہی نہ کی جائے۔ بلکہ دعاؤں کا تو وہ محتاج اور ضرورت مند ہے۔ اور خودکشی کوئی کفر تو نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کر دے۔ بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اسے عذاب دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کو معاف کر سکتا ہے۔ اور جن احادیث میں ایسے شخص کے لیے جہنمی ہونے کی وعید سنائی گئی ہے، ان سے بھی خودکشی کرنے والے کا دائمی جہنمی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ خلود سے مراد «مُکثِ طویل» یعنی لمبا عرصہ جہنم میں ٹھہرنا ہے۔

اسباب ومحرکات

خودکشی کے اسباب کی جب بات کی جاتی ہے کہ لوگوں کو کیا چیز خودکشی کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لیتے ہیں، تو اس سلسلے میں دنیا کے بڑے بڑے مفکرین اور دانشور اپنی اپنی آراء پیش کرتے ہیں۔ اکثر لوگ نفسیاتی اور ذہنی بیماری یا ٹینشن کو اس کا محرک قرار دیتے ہیں۔

دوسری طرف پوری دنیا میں خودکشی کے واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ماہرین کو تحقیقات کرنا پڑ رہی ہیں کہ وہ خودکشی کے اسباب پر غور وفکر کریں قبل اس کے کہ ہم اپنے معاشرے میں ہونے والی خودکشیوں کے محرکات کا جائزہ لیں۔ یہ بات قابل غور ہے دنیا بھر میں غیر مسلم ممالک ہی اس مصیبت کا شکار ہیں۔ عالمی تحقیقاتی اداروں کے تجزیات کے مطابق جن ممالک میں بکثرت خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں، ان میں سرفہرست غیر مسلم ممالک ہیں۔ مسلم ممالک میں یہ بیماری ابھی بہت کم ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک میں بھی ایسے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ابھی حال ہی میں اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ امریکہ میں روزانہ 22 ریٹائرڈ فوجی خودکشی کرتے ہیں، 2007ء کے بعد خودکشی کی شرح 20 فیصد سے بڑھ گئی ہے۔ اور اب تک 4 لاکھ فوجی خودکشی کر چکے ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت، 2 فروری: 2013)

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق بھارت میں خودکشی اموات کا دوسرا بڑا سبب ہے۔ بھارت میں ہر سال ایک لاکھ ستاسی ہزار افراد خودکشی سے موت کا شکار ہوتے ہیں۔ اسی طرح بھارت کے نیشنل کرائم بیورو کے ریکارڈ کے مطابق وہاں ہر گھنٹے میں کم سے کم سولہ افراد کی موت خودکشی کے سبب ہوتی ہے۔ دنیا میں خودکشی کی سب سے زیادہ شرح رکھنے والے ممالک میں جاپان، جنوبی کوریا، ہنگری، روس اور ساؤتھ افریقہ جیسے ممالک کے نام شامل ہیں۔ یہ اعداد وشمار اس لیے پیش کیے گئے ہیں کہ بعض لوگوں کا نکتہ نظر یہ ہے کہ خودکشی کی سب سے بڑی وجہ غربت اور بے روزگاری ہے، غربت خودکشی کی وجہ ہوتی تو دنیا کے امیر ترین ملکوں میں خودکشی کے واقعات اتنی کثرت کے ساتھ نہ ہوتے۔

اصل بات یہ ہے کہ خودکشی کا سب سے بڑا سبب لادینیت اور ایمان کی کمزوری یا فقدان ہے۔ ورنہ مسلمان پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی گزارا کر لیتے تھے لیکن خودکشی نہیں کرتے تھے۔ جبکہ آج مادہ پرستی کے اس دور میں ہر شخص دوسرے سے آگے نکلنے کے چکروں میں ہے۔ قناعت اور صبر و شکر مسلمانوں میں ڈھونڈے نہیں ملتا۔ دین سے دوری اور کتاب و سنت سے جہالت کی وجہ سے ہر سال مسلم معاشروں میں بھی خودکشی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ عموماً خودکشی کے جو واقعات سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں ان کے پیچھے زیادہ تر یہی چند محرکات نظر آتے ہیں:

① امتحان میں ناکامی ② قرض کا بوجھ ③ کسی عزیز یا محبوب کا بچھڑ جانا ④ بے روزگاری ⑤ مرضی کی شادی نہ ہونا۔

اس کے علاوہ بعض لوگ سرکاری حکام کی بددیانتیوں کے خلاف بطور احتجاج اپنے آپ کو آگ کے حوالے کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ گھریلو مسائل کی وجہ سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو مندرجہ بالا تمام وجوہات



ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔

جہاں تک قرض کا تعلق ہے تو آج کل ضرورت مند قرض نہیں لیتے بلکہ اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ جن کا گزر بسر اچھے طریقے سے ہو رہا ہوتا ہے وہ اپنا سٹیٹس بہتر بنانے کے لیے اور لوگوں کی ''خوشنودی'' کی خاطر خوب مال خرچ کرتے ہیں۔ رہی سہی کسر شادی بیاہ میں نکل جاتی ہے۔ ایک ایک شادی پر اتنا خرچہ کیا جاتا ہے کہ اہل خانہ اسی خرچے میں دو تین سال تو اپنا گھر چلا سکتے ہیں۔ لیکن محض نمائش کی خاطر ڈھیروں قرضے لیے جاتے ہیں۔ شادی تو دو تین دن میں ختم ہو جاتی ہے لیکن قرض دو تین سال میں بھی نہیں اترتا۔ اُدھر قرض لینے والے قطار بنا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ صاحب بہادر اپنے پاس کچھ نہ پا کر خودکشی کا راستہ اپنا لیتے ہیں۔ دوسرا بڑا سبب ''امتحان میں ناکامی'' بتایا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ''معیارِ تعلیم کی بلندی'' کے نام پر بچوں سے ان کی قیمتی جانیں چھینی جا رہی ہیں۔ والدین بچوں سے تعلیم کے میدان میں اعلیٰ کارکردگی کی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ بسا اوقات بچے ان کی توقعات پر پورا نہیں اترتے اور اسے اپنی ناکامی سمجھ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اسی طرح مرضی کی شادی کا معاملہ ہے۔ اس کے پیچھے بھی ہماری اپنی کوتاہیاں کارفرما ہیں۔ ہم خود بچوں کو گھر میں ٹیلی ویژن پر حیا سوز اور اخلاق باختہ فلمیں اور ڈرامے دکھاتے ہیں۔ بچے ان میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسے عملی طور پر بھی آزمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجتاً ہمارے معاشرے میں شادی کی دو قسمیں وجود میں آ گئی ہیں: Arrange Marriage (ارینج میرج) اور Love marriage (پسند کی شادی۔) اب ہر نوجوان لڑکا یا لڑکی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی، بلکہ اس سے بھی بہت پہلے، اپنا جیون ساتھی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اور اس کے کیا نتائج نکل رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔

جہاں تک بھوک اور بے روزگاری کا تعلق ہے تو یہ مسائل کوئی نئے نہیں۔ خاص طور پر ایک مسلمان کو تو بھوک غربت یا اس جیسی کسی تکلیف اور پریشانی سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ بلند حوصلے کے ساتھ کسی بھی مصیبت اور مشکل کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ زندگی میں خوشی غمی، ہار جیت، نفع نقصان، کامیابی ناکامی سب کچھ ساتھ ساتھ چلتا ہے اور دنیا کے مادی اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت اصل عامل ہے۔ کسی بھی مصیبت اور مشکل کے وقت مومن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''کہہ دیجیے کہ ہمیں اس کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے، وہ ہی ہمارا مالک ہے، لازم ہے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔'' (التوبۃ 9:51)

جب انسان کو یہ معلوم ہو اور اس کا یقین بھی ہو کہ مرضی تو اللہ کی چلتی ہے اور جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی برداشت کا نام صبر ہے۔

مصیبتیں، مشقتیں اور شرور وفتن تو دنیا کی زندگی کا حصہ ہیں۔ کسی شخص کے لیے ممکن ہی نہیں کہ اس کی زندگی سعادت مندی اور خوش بختی سے مالا مال ہو کر گزرے اور اس پر کوئی تکلیف اور پریشانی نہ آئے۔ بلکہ جب تک انسان کی جان میں جان ہے اور اس کی سانسوں کا سلسلہ جاری ہے اس وقت تک مصیبتوں اور مشقتوں سے نبرد آزمائی کرنا ہی ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو دنیا میں جاری وساری ہے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور ہم تمھیں خوف اور بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔'' (البقرۃ 2:115)

صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبری اس لیے کہ وہ مصائب و آلام پر نوحہ و ماتم اور جزع فزع کرنے کی بجائے پختہ کردار اور بلند حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے دین پر ثابت قدمی اور استقامت اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی مدد کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ کی) مدد طلب کرو.....۔'' (البقرۃ 2:45)

گویا بڑی سے بڑی مصیبت اور پریشانی

کے وقت ''صبر و یقین'' ایک بندۂ مومن کا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ نصرتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔

اس لیے کوئی آفت، مصیبت، ناکامی، نقصان یا تکلیف ہرگز خودکشی کا جواز فراہم نہیں کرسکتی۔ان مصیبتوں کا مقابلہ کرنیکے لیے ہی تو ''صبر'' کا حکم دیا گیا ہے۔صبر کرنے والوں کی نہ صرف اللہ تعالیٰ غیبی طریقے سے مدد فرماتا ہے، بلکہ اس نے ان کے لیے اجرِ عظیم کا اعلان کر رکھا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ o الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ﴾ ''عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے، وہ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔'' (العنکبوت 29:58-59)

لہٰذا موت کی تمنا یا خودکشی کسی پریشانی کا حل نہیں ہے بلکہ یہ تو سراسر اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔اللہ پر ایمان رکھنے والے اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے صبر کی توفیق مانگتے ہیں۔ اسی کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے: ﴿وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ ''آپ صبر کیجیے۔توفیق الٰہی کے بغیر آپ صبر بھی نہیں کرسکتے۔'' (النحل 16:127)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مصائب و آلام سے محفوظ فرمائے اور اگر اس کی مشیت سے ہماری زندگیوں میں کوئی دکھ پریشانی آئے تو اللہ ہمیں اپنی جناب سے صبر کی توفیقِ خاص عنایت فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

آپ کے خطوط

''شادی کا فنکشن ایک ہو جائے'' پر آراء

1

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سب سے پہلے میں انتہائی دعا گو اور مشکور ہوں ضیائے حدیث کی تمام انتظامیہ اور ضیائے حدیث میں کام کرنے والی پوری ٹیم کا کہ انھوں نے اللہ کے فضل اور اپنی محنت ولگن سے ہم تک یہ مجلّہ پہنچایا جس سے ہمیں بہت ہی اچھی رہنمائی ملتی ہے۔

یہ تحریر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ چیف ایڈیٹر عبدالمالک مجاہد صاحب نے اداریہ میں شادی کے بارے میں ہماری بہت اچھی راہنمائی فرمائی کہ شادی کا ایک ہی فنکشن ہو جائے! اور ہمیں سیدۃ نساء العالمین کی شادی کے بارے میں معلومات دیں جنھیں پڑھ کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور اس سلسلے میں انھوں نے ہماری رائے طلب کی۔ تو ہم اس بارے میں ان کا بھرپور ساتھ دیتے اور تائید کرتے ہیں اور ہم ان کی اس بات پر متفق ہیں کہ شادی کا ایک ہی فنکشن ہو جائے تو بہتر ہے۔ اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہندوؤں کی رسومات سے بچالے۔آمین

حافظ حق نواز توحیدی، کوٹ ادّو

2

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محترم المقام: آپ کی دعوت پر کہ آپ نے ماہنامہ ضیائے حدیث کے فروری 2013ء کے شمارے کے اداریہ میں ''شادی کا ایک ہی فنکشن ہو جائے؟'' کے عنوان پر مضمون لکھ کر میرے جذبات کو اس بات پر ابھارا ہے کہ آپ کے اس عظیم جذبے کی بھرپور حمایت کی جائے۔تو میں آپ سے یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعتاً ہی اس طرح کا معاملہ کر دیا جائے کہ شادی کا ایک ہی فنکشن ہو اور اس میں لڑکی اور لڑکے کے رشتے دار ایک ہی جگہ پر اکٹھے ہو کر اس بندھن کے لیے دعا گو ہوں تو اس میں اجتماعیت بھی ہو گی اور یہ کام باعثِ برکت بھی ہے اور اسی طرح جو والدین اپنی اولاد کی شادیاں خرچے کی وجہ سے لیٹ کرتے ہیں اور پھر خدانخواستہ اولاد کسی غلط کاری میں مبتلا ہو جائے تو یہ دین و دنیا دونوں قسم کا نقصان ہے۔ میں تو یہ بات ہی کہوں گا کہ اگر اس عظیم کام کا فنکشن ایک ہی کر دیا جائے تو اس میں بہت سے فوائد ہیں اور اس کے ذریعے والدین اپنے فرض کو جلد ادا کرسکیں گے اور وقت کے ضیاع سے بھی خلاصی ہو جائے گی۔ اللہ آپ کی کوشش قبول فرمائے۔آمین

دعا گو: عثمان عباس بن قاری محمد عباس، لاہور

محترم جناب عبدالمالک مجاہد صاحب

چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور



بارات کا تصور مفاسد اور حل

حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام، لاہور

شمارہ 03 | مارچ 2013ء

اصلاحِ معاشرہ

گرامی قدر محترم مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب ﷾ ڈائریکٹر دارالسلام، الریاض، لاہور۔ چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور نے ''ضیائے حدیث'' کے گزشتہ شمارے (فروری 2013ء) میں شادی کی مروجہ رسموں بالخصوص بارات وغیرہ کے سلسلے میں نہایت دل سوزی اور اخلاص سے اپنے اداریے میں روشنی ڈالی ہے اور اس امر پر زور دیا ہے کہ لوگ ہمت کر کے آگے بڑھیں اور رسم و رواج کی ان بیڑیوں کو کاٹ پھینکیں جنھوں نے ہر شخص کو بے پناہ مشکلات میں ڈال رکھا ہے اور ان بتوں کو پاش پاش کر دیں جن کو ہم نے اپنے حریم دل کے طاقوں میں سجا رکھا ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے دعوت دی ہے کہ اس بارے میں ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کرے، چاہے موافقت میں یا مخالفت میں۔ لیکن راقم کے خیال میں مولانا موصوف ﷾ کی باتیں ہر اُس مسلمان کے دل کی آواز ہے جس کو اسلامی تعلیمات کا ادنیٰ سا شعور بھی حاصل ہے، پھر بھلا ان باتوں کی مخالفت کون کر سکتا ہے؟

انھوں نے فکر و نظر کے دریچوں کو کھولا ہے، لوگوں کے دلوں پر دستک دی ہے، قوم کو رسم و رواج کے دہکتے شعلوں اور بھسم کر دینے والے الاؤ سے خبردار کیا ہے۔ یقیناً ان کا نعرۂ مستانہ وقت کی آواز ہے، قوم کے دکھوں کا مداوا اور اس کے ناسوروں کا علاج ہے ؎

مرحبا مؤذن بروقت بولا　　تری آواز مکے اور مدینے

راقم ان کی دعوتِ فکر کو قبول کرتے بلکہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے شادی بیاہ کی مروجہ رسومات پر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتا ہے، وبید اللّٰہ التوفیق.

اس کی پہلی قسط ''بارات، اس کے مفاسد اور اس کے حل'' پر مبنی ہے، اگلی قسطوں میں ان شاء اللہ دیگر رسومات پر بھی اظہار خیال کیا جائے گا۔ تاہم قارئین کرام مولانا مجاہد صاحب ﷾ کی گراں قدر آراء کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار ضرور فرمائیں، ان کو بھی ''ضیائے حدیث'' میں شائع کیا جائے گا جیسا کہ اداریے میں انھوں نے اس کا اظہار فرمایا ہے۔ (ص۔ی)

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان، برادری اور دوست احباب کے ایک جم غفیر اور انبوہ کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا۔ تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت و عہد صحابہ و تابعین، یعنی دورِ خیر القرون میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ صرف گھر کے چند افراد جاتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے۔ شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں



کے سامنے ہوجاتا تھا، نیز ولیمے میں مزید لوگوں کے علم میں آجاتا۔

اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں، اس کے بے شمار مفاسد ہیں۔ ان میں سے چند بڑے مفاسد حسب ذیل ہیں:

① سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا، اسراف (فضول خرچی) ہے۔ پہلے خود لڑکے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے، پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر مستزاد۔ اس سے بھی پہلے شادی کارڈوں کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے جو پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا، اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور اتنے اتنے گراں کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار خواتین (بہنیں، بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آ کر شادی والے گھر میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسموں (مایوں، مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہل محلّہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔

بارات والے دن سے ایک رات پہلے مہندی کی رسم جس طرح ادا کی جاتی ہے اور اس میں نوجوان لڑکیاں سڑکوں پر جس طرح ناچتی کودتی ہیں، کسی بھی غیرت مند مسلمان کے لیے وہ منظر ناقابلِ برداشت ہے۔

پھر نکاح والے دن پورا خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہو کر ایک لاؤ لشکر کی صورت میں لڑکی والوں کے گھر جاتا ہے جس کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑے مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ان کے لیے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے ان کو بھی خواہی نخواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ زیر بار ہوجائیں اور اس بوجھ کے اتارنے میں وہ سالہا سال پریشان رہیں۔

② جب لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے اس وقت جو چاہیں کر لیں، اس کا جواز ہے، چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اس طرح سب گناہ میں شریک ہوجاتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ان کا مطالبہ اور اصرار ہوتا ہے۔ یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز و اقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانیاں کرتے اور شریعت اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہیں جبکہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے، اگرچہ وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے تو اس جرم کی شناعت و قباحت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ» ''میری امت کے سارے گناہ معاف ہوسکتے ہیں سوائے ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔''

(صحيح البخاري: 6069)

اجتماعی طور پر کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے ہجوم میں اور ان کی وجہ سے کیے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

- بینڈ باجوں کا اہتمام جن کی شیطانی دھنوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں حتی کہ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے جس کا نام ''ویل دینا'' رکھا ہوا ہے۔
- آتش بازی، جو ''گھر پھونک، تماشہ دیکھ'' کی مصداق ہے، ہزاروں روپے اس پر اڑا دیے جاتے ہیں۔
- ہوائی فائرنگ، جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں اور موت کا شکار ہوجاتے ہیں۔
- بھنگڑا اور لڈیاں ڈالنا، اس کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے حتی کہ بعض باراتوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ خواتین بھی اس میں شریک ہوجاتی ہیں۔
- پیسے لٹانا، پہلے تو ریز گاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی، اب یہ رسم نوٹوں تک پہنچ گئی ہے جس سے اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کر دیے جاتے ہیں۔
- قریبی رشتے دار اور دوست احباب دولہا کو نوٹوں والے اور دیگر انواع و اقسام کے ہاروں



سے لاد دیتے ہیں جن کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتا ہے۔ یہ بھی فضول خرچی ہی کی ایک مد ہے۔

❁ یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں ہال یا گھر میں پہنچتی ہے تو نوجوان لڑکیاں اور یکسر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال پکڑے ہوئے دولہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور ان پر گل پاشی کرتی ہیں۔ یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے جس کی توقع کسی مسلمان مرد و عورت سے نہیں کی جاسکتی تھی۔

❁ بارات کے ساتھ کرائے کے فلم میکر ہوتے ہیں جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والی ساری کارروائی کو بھی (نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے ہیں اور ایک ایک سین کو بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

❁ بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب بے پردہ، نہایت بھڑکیلے، زرق برق، حتی کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس، نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگھار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں۔ گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں نہیں بلکہ وہ مقابلۂ حسن یا آرائش و زیبائش اور بے پردگی و بے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جارہی ہیں۔

❁ اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں، یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حصے نہیں ہوتے، کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا، بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور عورت کے لیے ایک ہی ہال اور کھانے کی میزیں بھی مشترکہ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون.

❁ آخر میں مراثیوں کا ایک غول آجاتا ہے جو الٹی سیدھی ہنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑھکیں مار کر باراتیوں سے ''ویلیں'' وصول کرتے ہیں۔

❁ اور بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں مجرے کا رواج ہے، یعنی مخنث (ہیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز و ادا کے ذریعے سے ناچ گا کر باراتیوں کا دل لبھاتے اور ان سے خوب ویلیں وصول کرتے ہیں اور باراتی ان پر بھی نوٹوں کی بارش برساتے ہیں۔

❁ کھانے کے موقع پر بھی اکثر و بیشتر عجیب ہڑبونگ مچتی ہے، کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں جیسے مویشیوں کو چارہ کھرلی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ ﴿یَأْکُلُونَ کَمَا تَأْکُلُ الْأَنْعَامُ﴾ کا مصداق ہوتے ہیں یا جیسے بھوکے گِدھ ہوتے ہیں یا جیسے ایسی وحشی اور گوار قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب ہی نہیں ہوا یا جن کا تہذیب و شائستگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہر شخص اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر تو اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں، پھر وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے، حالانکہ اس صورت حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کرواتا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا۔ بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹنگ شروع کردیتے ہیں۔ بد اخلاقی اور تہذیب و شائستگی سے عاری یہ مظاہر اتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کرسکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے بارے میں کیا تأثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اسلاف نے دنیا کو مکارم اخلاق اور تہذیب و شائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی خلق عظیم کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں (صحابۂ کرام و تابعین عظام) نے دنیا کے سامنے پیش کیے اور دنیائے انسانیت میں معلم اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ سارے مظاہر، جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی، ایک تو سراسر اسراف و تبذیر میں داخل ہے جن کے مرتکبین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخوان الشیاطین (شیطانوں کے بھائی) قرار دیا ہے۔

دوسرے، قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔

تیسرے، ڈنکے کی چوٹ پر علانیہ بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

چوتھے، بد اخلاقی اور بد تہذیبی کے مظاہر



ہیں جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی۔ چہ جائیکہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟

ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے اور مختصر چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں، لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کے بجائے چند ضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کرکے حسب استطاعت مہمانوں کی ضیافت کرکے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کردیں۔

اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بکنگ کی ضرورت ہوگی، نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگوں، مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی۔ نہ عورتوں کی بے پردگی و بے حیائی کا فتنہ اور نہ بینڈ باجوں، آتش بازی اور نہ مووی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہے۔

﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا؟ اور لوگوں کی ناراضی اور لَومَةَ لَائِم (ملامت گروں کی ملامت) سے بے خوف ہوکر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد

لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت سوائے گھر کی خواتین کے (بیٹے کی ماں اور بہنوں کے) خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے۔ اس لیے کہ شادیوں میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے، مثلاً:

① عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہوگیا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھر سے باہر نکلیں۔ جبکہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں سے کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں بچیوں اور بیوی سمیت تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سوٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں۔ ایک نکاح والے دن کے لیے اور دوسرا ولیمے والے دن کے لیے کیونکہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھنا ہے۔ دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔

محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ مزید برآں لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے۔

جو صاحبِ حیثیت گھرانے ہیں ان کی بیگمات کا، مذکورہ اخراجات کے علاوہ زیورات کے نئے سیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہوتا ہے وہ تو پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں مَیں نے پہنے تھے، اب وہی سیٹ اس شادی میں مَیں نے نہیں پہننا ہے۔ مجبوراً شوہر کو یہ مطالبے بھی پورے کرنے پڑتے ہیں۔

اور اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال، چہرہ اور ہر چیز سیٹ کروا کر شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش میں بھی یکتا اور ممتاز نظر آئیں۔

پھر ان تکلفات و تصنعات میں پردے کا اور نماز پڑھنے کا اہتمام کیوں کر ممکن ہے؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم ہوگیا ہے۔ پردہ کریں گی تو آرائش و زیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا سارا مصنوعی حسن بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور اصل خدوخال نمایاں ہوجائیں گے۔

❁ یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں تمام عورتوں کے لباس، زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں۔ اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوتی ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کمتر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کردیتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی عورتوں کی بابت اس قسم کے تبصرے بھی ان کی نوک زبان پر آجاتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو، اللہ نے ان کو



سب کچھ دیا ہے لیکن یتیموں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہیں، یعنی یہ سادگی جو اللہ کو پسند ہے وہ شیطان صفت ان عورتوں کو بری لگتی ہے۔

❁ یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے۔

❁ مووی فلم میں، جو آج کل شادیوں کا (بارات میں بھی اور ولیمے میں بھی) ایک لازمی حصہ بن گیا ہے، ان بے پردہ اور فیشن پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کرکے ان کے حسن و جمال، بناؤ سنگھار اور لباسوں کی تراش خراش بلکہ عریانی و نیم عریانی کو عام کر کے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے، حالانکہ عورتوں کی یہ ساری چیزیں پردہ ہیں، کسی غیر مرد کو ان کے دیکھنے دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش و زیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے کیونکہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش و زیبائش کا اہتمام نہیں کرتیں جب کہ ان کو اس کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس طرح بن سنور کر نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ، بالخصوص شادیوں میں تو ان کی بے پردگی، ان کا نیم عریاں لباس، میک اپ، غازہ ولپ اسٹک، ان کی ایک ایک حرکت و ادا ایک غارت گر دین و ایمان اور رہزنِ تمکین و ہوش، کسی الھڑ حسینہ، دل ربا و چنچل بازاری عورت سے کم نہیں ہوتی، حالانکہ اس کو حکم یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے تو باپردہ اور سادگی سے نکلے، حتی کہ اس کی خوشبو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلٰى قَوْمٍ لِيَجِدُوا مِنْ رِيحِهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ» ''جو عورت خوشبو لگا کر باہر نکلتی ہے اور لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تا کہ وہ اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ بدکار ہے۔'' (سنن النسائي: 5129، و سنن أبي داود: 4173)

احادیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزری تو انھوں نے اس سے خوشبو مہکتی ہوئی سونگھی، انھوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب پیغمبر ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ لِامْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهٰذَا الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ»

''اس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جا کر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتا ہے۔'' (سنن أبي داود: 4174)

اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عورت کو جب مسجد میں جانے کے لیے بھی خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہوکر جانے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ کتنا ہے؟

❁ نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ ہے کہ دولہا میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے، اس کے علاوہ دولہا دلہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں۔ اس موقع پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ دولہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ دیندار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلا تکلف ادا کیا جاتا ہے، حالانکہ دولہا بھی سوائے ماں، بہنوں اور ساس کے، تمام عورتوں کے لیے غیر محرم اور اس کے ساتھ اس کے دوست بھی غیر محرم ہوتے ہیں۔ بلکہ دوست تو دلہن کے لیے بھی غیر محرم ہیں۔ لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو والے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلمانے کا کام جاری



رکھتے ہیں۔

❁ دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں حتی کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے اور بزعم خویش اس کے سائے میں اس کو رخصت کیا جاتا ہے۔ گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں: یا اللہ! دیکھ لے اس سب خود فراموشی اور خدا فراموشی کے بعد بھی بطور تبرک تیرے قرآن کریم ہی کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا مذاق ہے؟ اعاذنا اللّٰہ منہ

کیا روز محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھے گا کہ کیا قرآن کریم میں نے صرف اسی لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حریر و ریشم کے غلافوں میں لپیٹ کر گلدستۂ طاق نسیاں بنا کر رکھ دینا اور اپنے کاروبار میں، معاملات زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات میں اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشوانے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کر لیا کرو۔ تاکہ تم اللہ کو، دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکا دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو۔ سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے:

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾

''یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں اور ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔''

(البقرۃ 9:2)

❁ شادی کے اختتام پر مرد حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماشاء اللہ خواتین چونکہ بے پردہ، ہر طرح کے فیشن سے آراستہ، نیم عریاں لباسوں میں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں اور پلکوں کو بزعم خویش سجایا بلکہ بھڑکایا ہوتا ہے تو کیا باہر نکلتے ہوئے عورتیں مردوں کے سامنے بلا جھجک نہیں گزرتی ہیں؟ اور کیا مرد رنگ و نور کے اس سیلاب سے یا حسن و جمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا بکھرتے اور دھنکتے اس قوس قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی و بے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات، بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور ''بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن'' کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کیا وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں؟ اگر واقعی وہ مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ کیا انھوں نے کبھی سوچا ہے اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ بارگاہ الٰہی میں کس طرح سرخ رو ہوں گے؟

کیا اس جواب سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا کہ بیوی یا بیٹی نہیں مانتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقع پر شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور با پردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے اور یہ پھبتی کستے ۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو

کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہو جائے گی؟

پس چہ باید کرد؟

بہر حال یہ صورت حال نہایت المناک ہے اور اہل دین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں ہے بلکہ قوم کی حیثیتِ مجموعی کی ہے۔ رسم و رواج اور بے حیائی کا یہ طوفان اور دینی اقدار اور روایات سے یکسر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کے بجائے شان و شوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خرابیاں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جا رہی ہیں، مثلاً:

① امیرانہ شان و شوکت کا اظہار ، ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن پردے کے پیچھے وہی زرق برق لباس کی نمائش ، زیورات کی نمائش، میک اپ اور آرائش کی نمائش، تفاخر اور برتری کا احساس



وغیرہ۔ یہ چیزیں کمتر حیثیت کی خواتین کے اندر احساس محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساس محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔

② پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کر لیتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب البلوغت بچیاں ہوتی ہیں، وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فیشنی مظاہر سے آراستہ بھی۔

③ علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار و روایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے۔ نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے دین سے بہت دور ہوتے ہیں۔ ان کی خواتین بھی جب بارات اور ولیمے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

④ بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں، شادی ہال کا اور انواع و اقسام کے کھانوں کا۔ جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

⑤ لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی۔ شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا بلکہ گلی، چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور دین دار ہوں یا غیر دین دار سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ خوشی کے موقع پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا۔ یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندوؤں نے اختیار کیا اور ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آ گئی ہے۔

یہ چند مفاسد وہ ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جا رہے ہیں اور ان سے بچنے کا داعیہ اور جذبہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔

سخت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت

جب بیماری شدید اور ناسور خطرناک ہو جائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ سخت ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے، خطرناک ناسور کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس مریض قوم اور اس ناسور بھرے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں (ناسوروں) کی نشتر زنی انھی کی ذمے داری ہے۔ وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کریں۔ لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، طعن و تشنیع کی پروا نہ کریں اور بغیر لومۃ لائم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔

بالخصوص جو اصحاب حیثیت دینی خاندان اور افراد ہیں وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کر دیں۔ بے شک اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے، وہ سیکڑوں نہیں ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کر سکتے ہیں، لیکن اللہ نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جا سکتی ہے، اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔

پاکستان میں ڈاکٹر اسرار صاحب مرحوم کی ''تنظیم اسلامی'' نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اور اس تنظیم سے وابستہ افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے، یہ ایک دین کا تقاضا ہے جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے۔ صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابل تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی حیثیت کسی صحراء میں پکار یا نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہے۔

ملک میں اہل دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے، دینی اقدار و روایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی و بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی



ہے لیکن بے عملی، ایمانی و دینی غیرت وحمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی بغیر کسی مزاحمت کے، چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کو بے حیثیت بنایا ہوا ہے۔

بنا بریں ضرورت عملی اقدامات کی ہے، ایمانی غیرت وحمیت کے مظاہرے کی ہے، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہد کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے تاکہ مذکورہ اخراجات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی، سچا نمونہ پیش کریں ؎

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا
اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ باراتیوں کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا ناجائز ہے۔ اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے باراتیوں کی مہمان نوازی کریں۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آئے ہوئے حضرات، کم ہوں یا زیادہ مہمان ہیں اور اکرام ضیف، یعنی مہمانوں کی عزت و تکریم اور حسب طاقت و ضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے۔ مثال کے طور پر بارات کسی دوسرے شہر سے آئی ہے اور پھر اسے واپس جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریب نکاح میں شرکت کر کے خالی پیٹ رہنا اور پھر اسی طرح رخصتی لے کر بغیر کچھ کھائے پیے دوبارہ عازم سفر ہو جانا، ناممکن ہے۔ ایسا نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے مہمانوں کی ضیافت ناگزیر ہے اور اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے پینے کا انتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں، شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ بھاری بھرکم بارات کا یہ تصور لڑکی والوں کے لیے خواہ مخواہ کا ناروا بوجھ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانۂ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم و اندوہ اور ماتم وشیون والی چیز بنا دیا ہے جس کو اسلام نے آکر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔ بارات کے ناروا سلوک اور دیگر رسم و رواج کے اغلال و سلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے:

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ﴾ ''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے۔'' (النحل 16:58)

یہی کیفیت ہمارے پاک و ہند کے مسلمان معاشروں کی ہو گئی ہے اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم و رواج ہیں جو شادیوں کا جز ولاینفک بن گئے ہیں، جن میں بارات، جہیز، بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں، لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان۔ گویا ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یا

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلف کے سب اسیر ہوئے

مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان تکلفات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا جن میں ایک بھاری بھرکم بارات کا کروفر کے ساتھ آنا اور پھر شاہانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا شامل ہے۔



اسلامی حکومت اور قرار داد مقاصد

حافظ محمد حق نواز
ریسرچ فیلو دارالسلام



انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب کے لیے جو ادارے قائم کیے ہیں ان میں ریاست یا مملکت کا ادارہ سب سے زیادہ اہم اور بنیادی کردار کا حامل ہوتا ہے۔ ریاست ایک ایسا سیاسی ڈھانچہ ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی بھی ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظام قائم کرتے ہیں۔ اس ادارے کو قوتِ قاہرہ اور قوتِ نافذہ کا امین قرار دیا جاتا ہے۔ انسان نے اپنی تہذیبی زندگی کے آغاز ہی سے اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کر لیا تھا۔ پوری انسانی تاریخ ریاست کے قیام واستحکام، اس کی تنظیم وتہذیب اور اس کے فروغ وارتقاء کی تاریخ ہے۔

جدید دور کے جدید تقاضوں کے مطابق ریاست کا دائرہ کار بڑھتا جا رہا ہے۔ اس وقت ریاست کا کام صرف امن وامان اور نظم وضبط قائم رکھنا ہی نہیں بلکہ اجتماعی عدل اور سماجی فلاح کا قیام بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں ریاست کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں اجتماعی قوت کو اسلام کے تابع کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ ان کی دعوت کا مرکزی خیال ہی یہ تھا کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اور صرف اللہ رب العالمین کو ہونا چاہیے اور ہر قسم کا شرک ختم کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے باقاعدہ اسلامی ریاست قائم کر کے اسے بخوبی اور معیاری شکل میں چلا کر نمونہ قائم کر دیا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ نبی ﷺ کو دعا سکھائی تھی:

﴿قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾ ”کہیے: اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ (عطا) کر۔“ (بنی اسرآئیل 80:17)

اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد عقیدہ توحید ہے، یعنی حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے سلب کر لیے جائیں اور کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں، وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اور صرف اللہ رب العالمین کو حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ



اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ﴾ ''اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے۔''
(یوسف 12:40)

﴿یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ﴾ ''وہ کہتے تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے: سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔''
(اٰل عمران 3:154)

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔'' (المائدۃ 5:44)

معلوم ہوا کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ قانون ساز صرف وہی ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ ہی کے حکم کا پابند ہے۔ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ ''میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔'' (الأنعام 6:50)

عام انسانوں پر بھی نبی کی اطاعت اسی لیے فرض ہے کہ ہر نبی اپنا حکم نہیں بلکہ اللہ کا حکم بیان کرتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ ''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔'' (النسآء 4:64)

لہٰذا مذکورہ بالا آیات سے ایک اسلامی ریاست کی مندرجہ ذیل خصوصیات نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں:

① کوئی شخص، خاندان یا طبقہ بلکہ ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اعلیٰ صرف اللہ ذوالجلال والاکرام ہے باقی سب رعیت کے زمرے میں آتے ہیں۔

② قانون سازی کے تمام اختیارات کا مالک اللہ ہے۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لیے قانون بنا سکتے ہیں نہ ہی اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔

③ اسلامی ریاست کی بنیاد اس قانون پر ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو اور ریاست کو چلانے والی حکومت اسی وقت اطاعت کی مستحق ہو گی جب وہ قانون الٰہی کو نافذ کرنے والی ہو۔

اسلامی ریاست کا مقصد

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اسلامی ریاست کے مقاصد کی مختلف پیرائے میں تشریح کی گئی ہے، مثلاً: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ''(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔'' (الحج 22:41)

مکہ معظمہ میں اسلام ایک تحریک کی حیثیت سے ابھرا تھا۔ اس تحریک کے بانی محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور آپ ﷺ کے رفقاء، دست و بازو اور مشیر حضرات وہ صحابہ کرام تھے جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت اختیار کی تھی۔

جوں جوں اسلام کا دائرہ کار بڑھتا گیا اس تحریک میں نئے نئے آدمیوں کا اضافہ ہوتا گیا اور مخالف طاقتوں سے اس کی کشمکش بھی بڑھتی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی بصیرت و فراست سے کام لے کر اور بے دریغ قربانیاں پیش کر کے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں باقاعدہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس اسلامی ریاست نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور خلفائے راشدین کے دور میں اس کا رقبہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اس کے باوجود خلفائے راشدین نے انتہائی کامیاب طریقے سے حکومت کی۔

بعد کے ادوار میں اسلامی ریاست کا رقبہ بڑھتے بڑھتے کرۂ ارض کے نصف رقبے سے بھی زائد ہو گیا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی اسلام نے اپنے قدم جمانے شروع کیے۔ برصغیر کے لوگوں نے اسلام کو فطرت کے عین مطابق پایا تو فوج در فوج اسلام قبول کرنے لگے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ برصغیر میں بھی مسلمانوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ مسلمانوں نے برصغیر پر کم از کم ایک ہزار سال تک کامیاب حکومت کی۔ اس کے بعد مخالفین نے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کر کے مسلمانوں کے سربراہان کو اپنے جال میں پھنسانا شروع کیا۔ مسلمانوں کے عقائد میں کمزوری آ چکی تھی۔ مال و دولت اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ اس بنا پر بعض منافقین کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور برصغیر پر انگریز تاجروں کا قبضہ ہو گیا۔



انگریز کے قبضے کے بعد برصغیر کے مسلمان دن بدن پستی کا شکار ہونے لگے۔ ہندوؤں نے انگریز حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے منافقت کا سہارا لیا۔ مسلمانوں کو انگریز کا سب سے بڑا مخالف ثابت کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہے۔ اس بنا پر تمام سرکاری اداروں میں ہندوؤں کی اجارہ داری قائم ہو گئی۔ مسلمان ظلم کی چکی میں پسنے لگے۔

دوقومی نظریہ

برصغیر میں چونکہ دو بڑی قومیں ''مسلمان اور ہندو'' آباد تھیں۔ دونوں قوموں کا انداز فکر، تصور حیات، مزاج اور نصب العین ایک دوسرے سے قطعاً مختلف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں قوموں کا ایک جگہ اکٹھے رہنا محال ہو گیا۔ دونوں قوموں کے نظریے میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسلام کا ایک خاص نظریہ ہے۔ یہ نظریہ ہندومت سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ مسلمانوں کے اسی قومی تشخص کا نتیجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان صدیوں اکٹھے رہے لیکن دونوں قومیں معاشرتی طور پر یک جا نہ ہو سکیں اور نہ ہی متحدہ قومیت کا تصور پروان چڑھ سکا۔

مسلمانوں کے سوا جتنی قومیں ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں وہ اپنے قومی نظریے کو قائم نہ رکھ سکیں۔ ان کے نظریات، اندازِ فکر، تصورِ حیات اور نصب العین کو ہندومت نے نگل کر نیست و نابود کر دیا۔ مسلمانوں کے تشخص کو بھی فنا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن دینِ اسلام نے مسلمانوں کو بچا لیا۔

ہندوؤں کا نظریہ تھا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ یہاں پر صرف ایک ہی قوم بستی ہے اور وہ ہندو قوم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ''قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔'' ان کے اس نظریے کو اسلام نے غلط قرار دیا۔ مسلمانوں کے نزدیک قومیں وطن کی بجائے دین ''اسلام'' سے بنتی ہیں۔ اسلام میں عربی کو عجمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو اس کی بنیا دصرف تقویٰ ہے۔

اسی دو قومی نظریے نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ قوموں میں تقسیم کیے رکھا۔ جب انگریز کے لیے برصغیر کو چھوڑنا ناگزیر ہو گیا تو برصغیر کو دو قوموں کے درمیان تقسیم کرنا بھی لازمی ہو گیا۔ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہونے کی وجہ سے برصغیر میں ایک الگ وطن کے خواہش مند تھے تا کہ اس میں اپنے نظریہ حیات، تہذیب، معاشرت اور قانون کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کر سکیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان پر مشتمل ایک علیحدہ ریاست قائم کی جائے تا کہ وہ اپنی جداگانہ قومیت کی بنا پر اسلامی اقدار و روایات کی ترویج اور ان کا تحفظ کر سکیں۔ قرآن و سنت کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ڈھالنا مسلم قوم کا نصب العین ہے۔ ''پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ ہم مسلمان تھے اور مسلمان رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہمیں ایک ایسا خطہ زمین چاہیے تھا کہ یہاں ہم مسلم قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں اور اپنی زندگیوں کو اسلام کے سنہرے اصولوں کے مطابق ڈھال سکیں۔ پاکستان بنانے کا سب سے بڑا مقصد ہی یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ وجود میں آ سکے اور فلاحی مملکت کے قیام کے لیے اسلامی معاشرے کا قیام ضروری ہے۔''

برصغیر کے مسلمانوں نے ایک طویل جدوجہد کے بعد قرآن و سنت کے نفاذ کے لیے بہت سی مالی اور جانی قربانیاں پیش کر کے علیحدہ وطن ''پاکستان'' حاصل کر لیا۔ اب چونکہ پاکستان اسلامی نظریہ حیات کے تحت معرض وجود میں آیا تھا اس لیے اس ملک میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کا جذبہ بڑی شدت سے موجزن تھا۔ وہ اسلامی معاشرہ کہ جس میں اخوت، مساوات، جمہوریت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ یہ ایک مثالی فلاحی مملکت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھر سکے۔ یہ نہ صرف دنیائے اسلام کے لیے ایک مثالی ریاست ہو بلکہ پوری دنیا اس سے راہنمائی حاصل کرے۔

پاکستان دنیا کے نقشے پر اسلامی نظریاتی مملکت بن کر سامنے آیا۔ پاکستان کی بنیاد بھی اسلام پر ہے۔ برصغیر میں علاقے، رنگ، نسل اور زبان کے اعتبار سے مسلمان ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن اسلام نے انھیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کے رشتے میں باہم مربوط کر دیا۔ اب اس رشتے کو مضبوط رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس اسلامی ریاست میں اسلامی اقدار کو فروغ دیا جائے تا کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست کے طور پر



ترقی کی منازل طے کر سکے۔

قیامِ پاکستان کے وقت صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ مسلمانوں کے لیڈر قیام پاکستان سے پہلے ہر اسٹیج اور ممبر پر ببانگ دہل کہہ رہے تھے کہ پاکستان کے قیام سے مقصود ایک ایسی حکومت قائم کرنا ہے جس کا نظام خدا کی کتاب قرآنِ مجید اور اس کے رسول کی سنت پر مبنی ہو۔ تمام مسلمان اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ لیڈروں کے ذہنوں میں جو کچھ بھی تھا بہر حال ان سب کی زبانوں پر یہی پکار تھی۔ ان کے انھی وعدوں کی بنا پر اور ان کے ظاہر کردہ انھی ارادوں پر یقین کر کے عام مسلمانوں نے تحریک پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا۔ بے دریغ جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں۔ اس لیے نہیں کہ یہاں پر امریکہ اور برطانیہ کی طرز کی ایک بے دین حکومت قائم ہو جائے بلکہ صرف اس امید پر کہ دنیا میں ایک مرتبہ پھر خلافت راشدہ کے نمونے کی ایک ریاست وجود میں آ سکے۔

قیامِ پاکستان کے بعد وہی لوگ جنھوں نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں اسلام کا نظامِ حیات نافذ ہوگا، قرآن وسنت کی حکومت ہو گی، اپنے وعدے اور یقین دہانیوں سے منحرف ہو گئے۔ ٹال مٹول کے ہتھکنڈے استعمال کرتے کرتے پورا ایک سال گزار دیا۔ ان کی یہ روش دیکھ کر مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ قوم کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ 1949ء کے ابتدائی تین ماہ میں یہ مطالبہ اس قدر شدید ہو گیا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں قرار داد مقاصد پیش کی۔ حکمرانوں نے مجبور ہو کر کافی بحث مباحثے کے بعد 12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرار داد مقاصد پاس کی، اس کا مختصر خاکہ پیشِ خدمت ہے:

قراردادِ مقاصد

''پوری کائنات میں اصل حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہی کائنات کا لاشریک حاکمِ اعلیٰ ہے۔ حکومت کو جو اقتدار حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے۔ پاکستان چونکہ ایک اسلامی مملکت ہے یہاں بھی حاکمیتِ اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے البتہ نیابت کے اختیارات عوام کو حاصل ہیں۔ حکومت اپنے اقتدار و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ معاشرے میں مساوات، اخوت، آزادی فکر، رواداری اور عدل و انصاف جیسے تمام اسلامی اصول رائج کیے جائیں گے۔ حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہو گی۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی مکمل آزادی ہو گی۔ حکومت ان کی محافظ ہو گی۔ پاکستان کے تمام شہریوں کو عدل و انصاف کے ساتھ بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ عدلیہ کو مکمل آزادی حاصل ہو گی۔ ہر قسم کی مداخلت اور اثر و رسوخ سے آزاد ہو کر عوام کو انصاف فراہم کریں گے۔ پاکستان کے قوانین اسلام کے عین مطابق بنائے جائیں گے اور ملک کا نظم ونسق قرآن وسنت کے مطابق چلایا جائے گا۔ پاکستان کے غیر ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی وخوشحالی کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔ پاکستان ایک ایسا وفاق ہو گا جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ داخلی خود مختاری حاصل ہو گی۔ وفاق کے تمام علاقوں کی سالمیت اور وفاق کی آزادی کی حفاظت کی جائے گی۔''

اُمید یہ تھی کہ اس قرار داد کے فوراً بعد آئین سازی کا کام شروع ہو جائے گا لیکن بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔ مولوی تمیز الدین خان کی زیر صدارت 24 ممبران کی کمیٹی بنائی گئی جسے ''بنیادی اصولوں کی کمیٹی'' کہا جاتا ہے۔ اس کمیٹی نے قرار داد مقاصد کی روشنی میں آئین کے بنیادی اصولوں کا تعین کرنا تھا۔ کمیٹی نے 7 ستمبر 1950ء کو ایک عبوری رپورٹ پیش کی۔ اس میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں ایوانوں کو یکساں اختیار دیے جانا تجویز کیا گیا تھا۔ مشرقی پاکستان کے خود غرض اور موقع پرست سیاست دانوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے مزید تجاویز اور کمیٹی کی رپورٹ پر غور وخوض کے لیے اجلاس ملتوی کر دیا۔ 1951ء میں لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا اور آئین سازی کا کام بھی سیاسی کش مکش کی نظر ہو کر رہ گیا۔

جب ''بنیادی اصولوں کی کمیٹی'' لا دینی عناصر کے عمل دخل کی وجہ سے ناکام ہو گئی تو سیکولرزم کے حامیوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ علمائے کرام کی فرقہ بندیوں کی وجہ سے اسلامی دستور قابل عمل نہیں ہے، چنانچہ مولانا مودودی رحمہ اللہ، مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ وغیرہ سمیت ملک بھر کے



مایہ ناز 31 علمائے کرام نے مل کر 22 نکات پر مشتمل ایک دستوری دستاویز پیش کی جس میں دستور کی اسلامی بنیادیں طے کی گئی تھیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے قیامِ پاکستان کے بعد آج تک جتنی بھی کوششیں کی گئی ہیں، مثلاً: ① قراردادِ مقاصد ② علماء کے 22 نکات ③ 1956ء، 1962ء، 1973ء، کے آئین کی اسلامی دفعات وغیرہ تمام کی تمام کوششیں کاغذی حد تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں ان کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنایا جا سکا؟ آیئے قراردادِ مقاصد کا جائزہ لیتے ہیں کہ جسے پاکستان کے تمام دساتیر میں دیباچے کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ کیا وہ اسلامی حکومت کے بنیادی اصولوں پر پورا اترتی ہے یا نہیں؟ اس فیصلے کے لیے قرارداد مقاصد کا کچھ حصہ بطور وضاحت پیش خدمت ہے:

''چونکہ تمام کائنات کی بادشاہی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہے اور چونکہ وہ اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باشندگان پاکستان کے ذریعے سے ریاست پاکستان کو اس لیے سونپا ہے کہ وہ اس اقتدار کو اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کے اندر استعمال کرے، لہٰذا یہ دستور ساز اسمبلی باشندگانِ پاکستان کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے آزاد و خود مختار ریاست پاکستان کے لیے ایک ایسا دستور بنانے کا فیصلہ کرتی ہے۔

① جس میں ریاست اپنے اقتدار و اختیارات کو باشندوں کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔

② جس میں پوری جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر اسلام کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

③ جس میں مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی ان تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق منظم کر سکیں جو قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں۔

قرارداد مقاصد کی تشریح

اس قرار داد میں جن باتوں کا اقرار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

① بادشاہی کے جملہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں، یعنی پاکستان میں حاکمیت باشندگان ملک کی نہیں بلکہ خداوند عالم کی ہے۔

② ''پاکستان کی حکومت کو جو اقتدار ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے اور اس کی طرف سے ایک مقدس امانت ہے'' یہ بعینہٖ قرآنی اصطلاح ''خلافت'' کا مفہوم ہے۔

③ ''اقتدار کی یہ مقدس امانت حکومت پاکستان کو اس لیے سونپی گئی ہے کہ وہ اسے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرے۔'' یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر حکومت خدا کی مقرر کی گئی حدود سے باہر قدم نکالے تو وہ خیانت کی مرتکب ہوگی۔ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حدود اللہ کی پابند ہو کر رہے۔

④ اقتدار کی یہ امانت حکام پاکستان کو براہِ راست نہیں بلکہ باشندگان پاکستان کے توسط سے سونپی گئی ہے اور باشندے ہی اس کے مجاز ہیں کہ اس امانت کو اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے سپرد کریں۔

⑤ یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہوریت کی اس تشریح کے مطابق چلائیں گے جو اسلام نے پیش کی ہے، یعنی یہاں مغربی جمہوریت کا نہیں بلکہ خلافت راشدہ کا نظام اختیار کیا جائے گا۔

⑥ پاکستان کے ملکی قانون کی بنیادیں آزادی، مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائیں گی جو اسلام نے پیش کی ہے نہ کہ اس تشریح پر جو امریکہ، روس اور برطانیہ میں اختیار کی گئی ہے۔

⑦ ''حکومت پاکستان مسلمانوں کو اس قابل بنانے کی ذمہ دار ہوگی کہ وہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں کتاب وسنت کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔'' یعنی حکومت وہی فرائض انجام دے گی جو ایک اسلامی حکومت کے فرائض ہیں۔ وہ محض تماشائی بن کر مسلمانوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑے گی۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرے۔

انھی باتوں کو دیکھ کر عام مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اسلامی حکومت کا جو مطالبہ وہ کر رہے تھے اسے مان لیا گیا ہے کیونکہ حکمران لیڈروں نے اپنے بیانات اور تقاریر کے ذریعے سے عوام کو اس بات کا یقین بھی دلا دیا تھا کہ اس قرار داد میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ لہٰذا عوام اور لیڈروں کے مابین یہ بات متفق علیہ ہو گئی کہ اب یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔

اسلامی حکومت کیا چیز ہوتی ہے؟ اس بات کا علم حاصل کرنے کے بعد جائزہ لیں گے کہ



آیا جو دستوری خاکہ پیش کیا گیا ہے وہ ایک اسلامی حکومت کے دستور کا خاکہ ہے یا نہیں؟

اسلامی حکومت کے بنیادی اصول

پہلا اصول: اسلامی حکومت کی اولین بنیاد قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو !تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔'' (النسآء 59:4)

اس آیت میں چار اہم نکتے بیان کیے گئے ہیں:

① اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مقدم ہے اور اولی الامر کی اطاعت اس کے بعد ہے۔

② اولی الامر کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے اور غیر مسلم اسلامی حکومت کا رکن بن سکتا ہے ''اولی الامر'' نہیں ہوسکتا۔

③ عوام کو حکمرانوں سے نزاع کا حق حاصل ہے۔ بے چون و چرا اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے خاص ہے۔

④ عوام اور حکمرانوں کے مابین جھگڑے کا فیصلہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہوگا کیونکہ اصل فیصلہ کن قانون خدائی قانون ہے۔

یہ چار نکتے بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ طرزِ عمل اختیار کرو ورنہ نہ تم مسلمان ہو اور نہ تمھاری حکومت اسلامی حکومت ہے۔ آگے چل کر اسی بات کو مزید سخت انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ '' چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔'' (النسآء 4:65)

معلوم ہوا کہ جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کو حَکَم (Final Authority) نہ مانا جائے کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جس حکومت کے دستور میں رسول خدا کے حکم کو آخری فیصلہ کن سند نہ تسلیم کیا گیا ہو وہ ایک اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔

دوسرا اصول: حکومت کے احکام اور ملک کے قوانین سب کے سب شریعت الٰہیہ پر مبنی ہونے چاہییں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔'' (المآئدۃ 5: 44) معلوم ہوا کہ جن معاملات میں اللہ اور اس کے رسول نے فیصلہ دے دیا ہے ان میں ہم کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

تیسرا اصول: قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون جاری رہ سکتا ہے نہ بنایا جا سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ» ''اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔'' (مسند أحمد:1/131)

چوتھا اصول: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی جائے گی۔ خدائی قانون کے سوا کسی دوسرے قانون کے تحت کسی شخص کے بنیادی حقوق پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکے گا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص نے وہ نماز ادا کی جو ہم ادا کرتے ہیں، اس قبلہ کی طرف رخ کیا جس کی طرف ہم رخ کرتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، پس تم اللہ اور اس کے رسول کے دیے ہوئے ذمّے میں اس کے ساتھ دغا بازی نہ کرو۔'' (صحيح البخاري:391)

یعنی اسلامی حکومت میں شہریوں کو بنیادی حقوق کی جو ضمانت دی جاتی ہے وہ دراصل اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نیابۃً دی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اس کے بعد شہریوں کا حق چھیننے کی کوشش کرے تو وہ دراصل اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دغا بازی شمار ہوگی۔

پانچواں اصول: قانون کی نگاہ میں سب لوگ یکساں ہیں۔ حکمران اور رعایا، امراء اور غرباء،



بڑے لوگ اور چھوٹے طبقے کے لوگ سب کے لیے اسلام میں ایک ہی قانون ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''کسی شخص کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں، اگر ہے تو صرف دین و تقویٰ کی بنا پر ہے۔''

(مسند أحمد:5/411)

چھٹا اصول: اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد ''معروف'' کو قائم کرنا اور ''منکر'' کو مٹانا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔'' (الحج 41:22)

گویا اسلامی حکومت جس مقصد کے لیے وجود میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ نماز اور زکاۃ کا نظام قائم کرے بھلائیوں کو پروان چڑھائے اور برائیوں کو مٹائے۔ قرآن و سنت جسے نیکی قرار دے اسے رواج دے اور قرآن وسنت جسے برائی قرار دے اسے ختم کردے۔

یہ ہیں وہ بنیادی اصول جن پر ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت کی مذکورہ بالا خصوصیات میں سے کوئی ایک خصوصیت پاکستان کے کسی دستور میں پائی جاتی ہے؟ اگر کہیں کسی خصوصیت کا کچھ حصہ پایا بھی جاتا ہے تو وہ اس طریقے سے شامل کیا گیا ہے کہ وہ قابل عمل نہ بن سکے۔ بنیادی اصولوں کی پوری رپورٹ میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرامین (قرآن و سنت) کو اس ریاست میں آخر سند (Final Authority) کی حیثیت حاصل ہو گی اور نزاعات کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق ہوگا۔

کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ حکومت کے احکام اور ملکی قوانین اللہ کے نازل کردہ قانون پر مبنی ہوں گے۔ یہ بات مذکور نہیں ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون باقی رہے گا نہ بنایا جا سکے گا۔ حکومت پر ایسی کوئی پابندی عاید نہیں کی گئی کہ وہ حدود اللہ کے اندر رہ کر کام کرے گی اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے گی۔ حکومت پر ایسی کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں کی گئی کہ قرآن کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرنا اور منکرات کو مٹانا اس کا فرض ہے۔ وفاداری کے جتنے بھی حلف تجویز کیے گئے ہیں وہ سب خدا کے نام پر نہیں بلکہ دستور پاکستان کے نام پر ہیں۔ باشندوں کو جو بنیادی حقوق دیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس بنا پر نہیں دیا گیا کہ یہ خدا اور رسول کا عطا کردہ حق ہے۔ ان تمام حقوق کا مأخذ کوئی نہ کوئی مغربی دستور ہے نہ کہ قرآن وسنت۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن وسنت میں اسلامی حکومت کی جو امتیازی خصوصیات بیان کی گئیں ہیں ان میں سے کوئی ایک خصوصیت بھی ان دستوری سفارشات میں نہیں پائی جاتی۔

قیام پاکستان سے قبل عوام سے کیے گئے وعدوں اور قیامِ پاکستان کے بعد متفقہ قومی مطالبے کے نتیجے میں صرف عوام کو خوش کرنے اور ان کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قرار داد مقاصد پاس کی گئی تھی۔ اور جب دستور سازی کا عملاً کام شروع کیا گیا تو قرار دادِ مقاصد بھی لپیٹ کر الگ رکھ دی گئی اور ایک قطعی غیر اسلامی حکومت کا خاکہ مرتب کر ڈالا گیا۔

صرف یہی نہیں کہ پیش کردہ خاکہ اسلامی خصوصیات سے خالی ہے بلکہ اس خاکے میں متعدد چیزیں ایسی بھی موجود ہیں جو صریحاً اسلام کے خلاف ہیں، مثلاً: ① حکومت حبسِ امتناعی، یعنی بغیر مقدمہ اور عدالتی طور پر جرم ثابت کیے بغیر قید کرنے کا حق رکھتی ہے۔ ② صدر ریاست اور صوبوں کے صدر قانون سے بالاتر ہیں۔ ③ سرکاری عہدہ داروں کو انگریز کے زمانے سے جو امتیازی حقوق حاصل تھے ان کو باقی رکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد چور دروازے ایسے رکھے گئے ہیں جن سے شرعی قوانین کے نفاذ کو روکنے کا راستہ نکل سکتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح قیامِ پاکستان کے لیے تمام مسلمانوں نے مل کر جدوجہد کی تھی بعینہٖ سب مل کر قرآن وسنت کے نفاذ کے لیے کوشش کریں تاکہ قیامِ پاکستان کا اصل مقصد حاصل ہو سکے جس کے لیے ہمارے آباؤ اجداد نے بے دریغ جانی اور مالی قربانیاں پیش کی تھیں۔

وما علینا الا البلاغ



آپ کے مسائل اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق، ریسرچ فیلو دارالسلام

سوال کسی انسان کے فوت ہو جانے کے بعد ایصالِ ثواب کی نیت سے گٹھلیاں (کھجور وغیرہ کی گٹھلیاں) پڑھنا، قل، جمعرات اور چالیسویں کے ختم کا اہتمام اور ان گٹھلیوں کو تعداد کے طور پر ایصالِ ثواب کے لیے پیش کرنا کیسا ہے؟ دین میں ان اعمال کی کیا حیثیت ہے؟

جواب مذکورہ اعمال کا اہتمام و انتظام بدعت ہے، مذکورہ تمام اعمال ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (یوسف 40:12) کے مصداق ہیں، یعنی ان کا ثبوت قرآن وسنت سے نہیں ملتا۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ وغیرہ ہی سے۔ بلکہ یہ ہندوانہ رسومات ہیں جن کا ذکر ان کی کتب میں ملتا ہے جنھیں بعد میں ہمارے بعض مسلمانوں نے ایصالِ ثواب کے نام پر اپنا لیا ہے۔

چونکہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المآئدہ 3:5) کی رو سے دین و شریعت یقیناً مکمل ہو چکے ہیں اس لیے اس میں استحسان کے طور پر کسی بھی نئی رسم و عمل یا عقیدہ ونظریہ کو حصولِ ثواب کی بنا پر رواج نہیں دیا جا سکتا، وگرنہ شریعت سازی کا الزام لازم آئے گا اور اسلام میں نقص اور کمی رہ جانے کا عقیدہ و تصور جنم لے گا جو قرآن و حدیث کی رو سے سراسر باطل ہے۔ اگر ایسے اعمال و افعال اور رسومات کو دین کا حصہ اور انھیں باعثِ اَجر و ثواب اور ذریعۂ ایصالِ ثواب قرار دیں تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان کے شرعی احکام و مسائل کی تفاصیل اور مذکورہ ایام کی صریح تحدید قرآن وسنت میں ملتی ہے؟ یقیناً نہیں ملتی اور نہ تاقیامت ملے گی۔ اگر مذکورہ بالا رسومات کا بجا لانا باعثِ اجر ہے جبکہ ثبوت نہیں ملتا تو کیا پھر رسول اکرم ﷺ (نعوذ باللہ) بن بتائے رخصت ہو گئے۔ اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ کے فریضے کو کماحقہ ادا نہیں فرمایا، حالانکہ صحیح حدیث نبوی ہے: «مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُبْعِدُكُمْ عَنِ اللّٰهِ، وَيُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ، إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ» ''جو چیز بھی تمھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر سکتی ہے میں نے وہ چھوڑی نہیں مگر میں نے تمھیں اس کا حکم دے دیا ہے، اور جو بھی چیز تمھیں اللہ تعالیٰ سے دور اور جہنم کی آگ کے قریب کر سکتی ہے میں نے وہ نہیں چھوڑی مگر اس سے تمھیں روک دیا ہے۔'' (طبرانی نے بسند صحیح روایت کیا ہے، أصل صفة الصلاة: 942/3، مناسك الحج والعمرة للألباني، ص:45) بہر حال یہ اعمال بلاشک وشبہ بدعت ہیں۔ بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہے: «خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ»

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» ''جس کسی نے ہمارے اس کام (دین و شریعت) میں کوئی نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔'' (صحيح البخاري: 2697)

صحیح مسلم میں ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا



لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ» ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے متعلق ہمارا حکم و اُمر نہیں تو وہ مردود ہے۔'' (صحيح مسلم: 4492)

معلوم ہوا مروجہ بدعی طریق ہائے ایصالِ ثواب، مثلاً: گٹھلیاں پڑھنے، قل، تیجہ، ساتواں اور چالیسواں کے متعلق شریعت میں کوئی حکم و ایماء نہیں اس لیے یہ اعمال و وظائف بدعت اور گمراہی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «فَمَالَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِينًا لَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِينًا» ''تو جو چیز اس دن دین نہ تھی، آج بھی وہ دین نہیں ہو گی۔'' (الإعتصام للشاطبی:53/1)

ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «اِتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعُوا فَقَدْ كُفِيْتُمْ» ''پیروی کرو، بدعت کا ارتکاب نہ کرو، تمھارے لیے یہی کافی ہے۔'' (مسند دارمی: 205 وغیرہ)

سوال ''کھانا'' کھانے کے دستر خوان پر ایک سے زائد ڈشز کا ہونا پسندیدہ ہے یا ناپسند فرمایا گیا ہے؟

جواب اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، رغبت کے پیش نظر ایک سے زائد کھانے اور ڈشوں کا ہونا ناپسندیدہ نہیں ہے بشرطیکہ اسراف اور ضیاع کے زمرے میں نہ آئے۔

اس کی دلیل صحیح بخاری کی حدیث ہے، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ» ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ککڑی کے ساتھ ڈوکے کھاتے ہوئے دیکھا۔'' (صحيح البخاري: 5449)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ترجمۃ الباب میں ایک وقت میں دو قسم کے کھانے جمع کرنے کا استنباط کیا ہے، فرماتے ہیں: «بَابُ جَمْعِ اللَّوْنَيْنِ أَوِالطَّعَامَيْنِ بِمَرَّةٍ» ''یعنی ایک ہی وقت اور حالت میں دو قسم کے کھانوں کو جمع کرنے کا بیان'' نیز رسول اللہ ﷺ سے ایک وقت میں خربوزے کے ساتھ بھی ڈوکے کھانے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ بسند صحیح سنن نسائی میں منقول ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیثِ باب میں دو قسم کے پھل وغیرہ اور کھانوں کا اکٹھے کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، نیز اس سے کھانوں میں توسع کا جواز بھی نکلتا ہے، اس کے جواز میں علمائے کرام کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

اور سلف سے جو اس بارے میں اختلاف منقول ہے وہ کراہت پر محمول ہے تاکہ کسی دینی مصلحت کے بغیر انسان جو آسائش پرستی، توسّع اور کثرت پسندی کا شکار ہوتا ہے اس کی روک تھام ہو سکے۔'' (فتح الباري: 710/9، طبع دارالسلام)

سوال تواضع، یعنی مہمان نوازی میں ایک سے زائد کھانوں کا اہتمام کرنا چاہیے یا نہیں؟ دلیل سے آگاہ فرمائیں۔

جواب مہمان کی تواضع اور خدمت کے لیے حسبِ استطاعت ایک سے زائد کھانوں کے اہتمام میں شرعاً کوئی حرج نہیں، حلال اور طیب چیزوں کے استعمال کی شرعاً قرآن و سنت کی روشنی میں مطلق اجازت منقول ہے، اسراف اور ضیاع سے بچا جائے تو شرعاً کوئی پابندی نہیں جبکہ مہمان کا اکرام فرض ہے، ممکنہ حد تک اس کی اچھی خدمت کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، فَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا تَحِلُّ لَهُ أَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ» ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اس کا عطیہ دن اور رات ہے۔ (اسے دن اور رات کے سفر کے بقدر عطیہ بھی دے)، ضیافت تین دن ہے، اور جو خدمت اس کے بعد ہو گی وہ صدقہ ہے، اور مہمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنا قیام کرے کہ اسے گناہ گار کر دے (اس کی خدمت نہ کر سکے۔)

(صحيح البخاري: 6135)

امام ابن بطال امام مالک رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ان سے اس حدیث کی بابت پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''اس (مہمان) کا اکرام کرے، اسے دن رات کا تحفہ وعطیہ دے اور تین دن ضیافت ہے۔''

امام ابوعبید فرماتے ہیں: ''پہلے دن اس کے لیے نیکی اور لطف و مہربانی کے ساتھ تکلف کرے اور دوسرے تیسرے دن جو ماحضر ہو وہ پیش کرے اور اپنی عادت و معمول سے تجاوز نہ کرے، پھر اسے اس قدر تحفہ دے کہ وہ اس کے ساتھ دن رات کی مسافت طے کر لے، اسے ''جیزہ'' کہتے ہیں.....۔''

(فتح الباري: 655/10)

سوال کاروبار میں وسعت یا نئے کاروبار میں کسی غیر ملکی کمپنی کے ساتھ Contract کی



صورت میں اُن کی Requirement کے طور پر بطور گارنٹی اپنا گھر بینک میں گروی رکھوانا اور بینک اُس پر سالانہ ایک Fix Expense چارج کرے تو کیا یہ سالانہ Fix Amount جو بینک کو ادا کرنا ہے یہ سود ہے یا نہیں؟

جواب ایسے کاروباری معاملات میں بینک کو درمیان میں لانا شرعاً حرام ہے کیونکہ بینکوں کی بنیاد ہی سود پر ہے۔ مذکورہ طریقے سے ان کی معصیت پر تعاون ہے، لہٰذا نہ گھر بینک میں گروی رکھوانا درست ہے اور نہ اسے اس صورت میں Fix Amount ادا کرنا ہی حلال ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾

''اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''
(المآئدة 2:5)

محمد منیر صاحب! بیعت کی شرعی حیثیت کے حوالے سے آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ جواب آئے گا۔

سوال ہمارا تعلق زمیندار گھرانے سے ہے۔ زمین میں فصل کی کاشت کے لیے ہمیں کھاد، بیج، سپرے اور آبپاشی کے لیے ڈیزل وغیرہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کاشت کے وقت روپے پیسے کی کمی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ چیزیں بطور قرض لینا پڑتی ہیں۔ آڑھتی حضرات ہمیں یہ چیزیں اس شرط پر بطور قرض دے دیتے ہیں کہ تم نے فصل کے اختتام پر تمام زرعی اجناس گندم، چاول، مکئی وغیرہ ہماری آڑھت پر لانی ہے۔ پھر وہ ان زرعی اجناس کو فروخت کرتے ہیں اور اس میں سے مخصوص فیصد کے حساب سے کمیشن لیتے ہیں اور جو رقم باقی بچ جائے اس میں سے اپنا دیا ہوا قرض واپس لے لیتے ہیں، پھر اگر کوئی چیز بچ جائے تو بقایا رقم ہمیں دے دیتے ہیں۔

آڑھتی حضرات پہلے مرحلے میں (ادھار کی صورت میں) کھاد، سپرے، بیج وغیرہ کا ریٹ بڑھا کر لگاتے ہیں اور بعض حضرات زرعی اجناس کا ریٹ بھی کم کر دیتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں زمیندار کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

اس صورت حال میں آڑھتیوں کو کمیشن دینا اور ان سے بطور قرض کھاد، بیج اور سپرے وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بذریعہ ضیائے حدیث ہماری راہنمائی فرمائیں۔

غلام حسن بھٹی، شیخوپورہ

جواب اگر منڈی کا بھاؤ معروف ہو اور کسان بھی اس کی واقفیت رکھتا ہو تو اپنی مرضی سے سہولت کے پیش نظر آڑھت پر زرعی اجناس لانے اور آڑھتی کو کمیشن دینے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کی آڑھت استعمال ہوتی ہے، یہ کمیشن گویا کرایہ اور اس کی خدمت کا عوض ہو گی لیکن آڑھتی کا مذکورہ رویہ اور یہ معاملہ چند وجوہ سے ناجائز ہے:

① کیونکہ آڑھتی قرض دے کر فائدہ حاصل کرتا ہے اور یہ «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا» ''ہر قرض جس کے ذریعے کسی قسم کی منفعت کا حصول ہو تو وہ سود ہے۔'' کے اصول کے تحت شرعاً ممنوع اور حرام ہے کیونکہ اسی وجہ سے کسان کو اپنی اجناس آڑھت پر لانی پڑتی ہیں اور آڑھتی اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

ابو بردہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملے تو انھوں نے ابو بردہ کو ستو اور کھجور کھلانے کی دعوت دی۔ آخر میں انھیں ایک نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''تو ایک ایسی سرزمین میں رہتا ہے جہاں سود عام ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص پر آپ کا کسی قسم کا حق ہو اور وہ تجھے چارے کا لدان (بوجھ) یا جَو کا لدان یا قتّ (ایک جنگلی دانہ جو کوٹ کر پکانے کے کام آتا ہے) تحفے میں دے تو اسے قطعاً قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود ہے۔'' (صحيح البخاري: 3814) اس لیے کہ وہ منفعت، قرض یا کسی دوسری چیز کے بدلے میں ہوگی جو کہ حقیقتاً سود ہے۔

② مذکورہ قسم کے آڑھتیوں کا رویہ خالصتاً خود غرضی پر مبنی ہے، حالانکہ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔ اور ہمیں عامۃ الناس سے خیر خواہی کا حکم ہے۔

③ مذکورہ قرض ایسی باطل شرط سے مشروط ہے جس میں دوسرے کا نقصان ہے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «كُلُّ شَرْطٍ لَيسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ» ''ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں موجود نہیں تو (اس کا عائد کرنا) باطل ہے۔'' (سنن النسائي، الطلاق، حديث: 3481)

لہٰذا ایسی صورت میں مذکورہ وجوہات کی بنا پر ایسے آڑھتی سے بطور قرض زرعی اجناس لینا اور اسے کمیشن دینا جائز نہیں بلکہ اس کے متبادل کسی خیر خواہ مسلمان آڑھتی کا تعاون لینا چاہیے جو قرض کے ساتھ مذکورہ شرط عائد نہ کرتا ہو۔



مثالی تاجر کے اوصاف

حافظ عبدالسمیع
ریسرچ فیلو دارالسلام

نحمده و نصلّی علیٰ رسوله الکریم

اما بعد!

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بازاروں اور منڈیوں میں اسلامی احکامِ تجارت سے واقف تاجر بمشکل نظر آتے ہیں۔ جبکہ قرونِ اولیٰ میں عموماً ہر تاجر اسلامی احکام تجارت سے بخوبی آشنا ہوتا تھا۔ اس دور کے حکمران بھی نرالی شان کے حامل تھے کہ وہ منڈیوں، بازاروں میں دین سے ناواقف لوگوں کو احکامِ الٰہی سیکھنے کا نہ صرف حکم دیتے بلکہ اس پر عمل بھی کرواتے تھے۔

تجارت بہترین ذریعۂ معاش ہے، خود رسول اللہ ﷺ قبلِ بعثت ایک عرصہ تک تجارت میں مشغول رہے اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تاجر تھے، مثلاً: سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ تجارت پیشہ تھے۔ لیکن ان کی تجارت انھیں اللہ کے احکامات کو قائم کرنے رکاوٹ نہ بنی بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی توانائیاں اسلام کی نشرو اشاعت کے لیے بھی صرف کرتے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دنیا ان کے ہاتھوں ہی میں رہی ان کے دلوں میں اپنا مقام نہ بنا سکی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ''جیش العسرۃ'' کی تیاری کے لیے اس قدر اپنا مال پیش کیا کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: «مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ» ''آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔''

(جامع الترمذي:3701)

ہماری تجارت اور معیشت میں مغربی رنگ اور سوچ کے غالب آنے کا ایک سبب، جو کہ سنگین غلطی ہے، ہمارے معاشرے کے کچھ اہل علم و دانش کی یہ سوچ ہے کہ ارباب علم و عمل کو ان معاملات میں نہیں پڑنا چاہیے۔ گویا دبے لفظوں میں کہا جاتا ہے کہ علماء کو تجارت نہیں کرنی چاہیے۔

یہی وہ فکر اور سوچ ہے جس نے ہمارے معاشرے کے اچھے، باعمل افراد کو منڈیوں میں آنے سے روکے رکھا اور منڈیوں میں بے علم اور دین سے ناواقف افراد آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا منڈیوں پر قبضہ ہوتا چلا گیا۔ انھوں نے اپنے فہم سے تجارت کو پروان چڑھانا شروع کیا اور جیسے تیسے مال بڑھانے کی مسابقت جاری ہوگئی اور اربابِ علم و عمل اپنے اپنے حجروں میں مقیم رہے۔

کیا خیر القرون میں سلف صالحین تجارت نہیں کرتے تھے؟

آج معاشی میدان میں اسلامی انقلاب برپا



کرنے کے لیے اربابِ علم و دانش کو اس میدان میں آنا ہوگا تا کہ ہماری تجارت اسلامی طریقوں پر ہو سکے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا بہترین ذریعہ ہے۔

ذیل میں ایک مسلمان تاجر کی چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں:

① جس کے دل میں عام لوگوں کے ساتھ خیرخواہی کا جذبہ ہو اور انھیں دھوکا نہ دے۔

خیر خواہی کی عملی صورت یہ ہے: منافع کی شرح مناسب ہو، جسے ضرورت مند بآسانی خرید سکے۔ سامانِ تجارت کی صفات وخوبیاں بیان کرے البتہ اس میں مبالغہ نہ کرے، اور اس کے عیوب ونقائص بھی نہ چھپائے۔ کیونکہ سامانِ تجارت کے عیوب کو چھپانا دھوکا دینے کی طرح ہے۔

② ہمیشہ سچ بولنا اور خوبصورت انداز سے معاملہ کرنا۔

یاد رکھیے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا اور اس نے لوگوں کے ساتھ سچ بولا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

③ اگر کوئی شخص خریدا ہوا مال واپس کرنا چاہے تو کشادہ دلی سے واپس کر لینا، اور اسے اس بات پر مجبور نہ کرنا کہ اس کے عوض ہم سے کوئی اور چیز خریدو۔

یاد رہے! خریدا ہوا مال واپس کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مال تبدیل کر دیا جائے جیسے آج کل ہمارے بعض نیک تاجروں کی عادت ہے، بلکہ اس کی اصل قیمت واپس کرنی چاہیے۔

حدیث میں ہے: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللّٰهُ عُثْرَتَهُ» ”جس نے کسی مسلمان کا سودا واپس کر لیا اللہ اس کی لغزشیں واپس کر لے گا۔“ (سنن أبي داود:3460)

④ خرید وفروخت میں دریا دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ تنگ دست کو مہلت دی جائے اور اگر ممکن ہو تو اس کا قرض بھی معاف کر دینا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو خرید وفروخت اور اپنے حق کے مطالبہ میں سخاوت و دریا دلی سے کام لیتا ہے۔“ (صحيح البخاري: 2076)

⑤ اپنے مال کی زکاۃ ادا کرنا۔ ادائیگی زکاۃ میں کوتاہی نہ کرے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے۔

یاد رہے۔ اگر اللہ کا حکم مانتے ہوئے زکوۃ ادا کر دی گئی تو بقیہ مال میں برکت ہو گی۔ اور اگر زکاۃ ادا نہ کی، اسے روکے رکھا تو مال کی برکت ختم ہو جائے گی اور وہ مال دنیا وآخرت میں وبال کا ذریعہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ ”جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں درد ناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے، جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا، اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔“ (التوبة 9:34-35)

⑥ نفلی صدقات بھی کثرت سے دینا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرتا ہے تو اسے اس کا فائدہ دنیا وآخرت دونوں جگہ ملتا ہے۔ صدقہ جاریہ تو ایسا مبارک عمل ہے کہ اس کا اجر وثواب انسان کے مر جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

⑦ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنا۔ دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر انھیں ضائع نہ کرے۔

ساری دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے؟ ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہے۔ اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام چھوڑ کر فوراً مسجد میں آنے کا معمول بنایا جائے بالخصوص جمعہ کی نماز میں غفلت وسستی کا مظاہرہ بالکل نہیں ہونا چاہیے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔“ (الجمعة 62:9)

⑧ دھوکا، فریب نہ دینا۔ دھوکا دینے والے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي» ”جس نے دھوکا دیا وہ مجھ سے نہیں، یعنی میرے طریقے پر نہیں ہے۔“ (صحيح مسلم:102)

کاروبار میں کہاں کہاں دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ تاجر اسے بخوبی جانتے اور سمجھتے ہیں۔



⑨ اپنے کاروبار کو سود کی آمیزش سے محفوظ رکھنا۔

بدترین مال وہ ہے جو سودی طریقے سے کمایا جائے، سود خوروں کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے سودی لین، دین کرنے والوں اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

سود سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور آخرت کا سخت عذاب مقدر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سود کی لعنت سے محفوظ فرمائے۔ آمین

⑩ بیع ''عینہ'' کرنے سے بچنا۔ اس لیے کہ ''عینہ'' کی بیع حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم ''عینہ'' کی بیع کرنے لگو گے، بیلوں کی دُمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی ہی پر مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو کسی طرح زائل نہ ہو گی حتی کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ۔''

(سنن أبي داود:3462)

''عینہ'' کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اُدھار قیمت پر مال فروخت کر دے اور پھر قیمت وصول کرنے سے پہلے ہی اس سے وہ مال اصل قیمت سے کم پر خرید لے، مثلاً: 40 کلو گندم 2,000 ہزار کی ادھار فروخت کی۔ اور اس کے بعد وہی گندم اس سے 1400 روپے نقد میں خرید لی۔ ایسی بیع کو ''عینہ کی بیع'' کہتے ہیں۔

آپ غور کریں اس معاملے میں اصل خریدار کو 600 روپے کا نقصان ہوا ہے اور 1400 روپے نقد ملے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ 1400 روپے پر 600 روپے سود لازم ہو گیا۔

⑪ ایسی اشیاء کا کاروبار نہ کرنا جن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے، یا ایسی چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، معصیت و گناہ میں استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً: شراب وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ گناہ میں تعاون کرنے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ ''گناہ اور ظلم و زیادتی میں تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔'' (المآئدۃ 2:5)

⑫ اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔''

(صحيح البخاري:2139)

ایسا کرنے سے آپس میں بغض اور نفرت و عداوت جنم لیتی ہے اور ایک اچھا معاشرہ بدامنی کا شکار ہو سکتا ہے۔

⑬ مارکیٹ کا ریٹ خراب کرنے کے لیے سامان کی بولی نہ لگانا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔

⑭ اللہ کے نام کی جھوٹی قسم نہ کھانا۔

ممکن ہے قسم کھانے سے مال فروخت ہو جائے لیکن اس کی برکت ختم ہو جائے گی۔ یہ دنیا اس قابل بھی کہاں ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے اللہ بزرگ و برتر کے نام کی قسم کھائی جائے؟

⑮ ناپ، تول میں کمی نہ کرنا۔ بلکہ اسے جھکتا ہوا تولا جائے۔

⑯ ایسی اشیاء کی خرید و فروخت نہ کرنا جن سے معاشرے میں فساد برپا ہو سکتا ہو یا شریر لوگ انھیں اپنے مذموم مقاصد میں استعمال کر سکتے ہوں۔

محترم قارئین! یہاں اچھے اور مثالی تاجر کی چند صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اگر آپ سیرت کا بغور مطالعہ کریں گے تو آپ کو مزید معلوم ہو گا کہ اسلامی معاشرے میں مسلمان تاجر کی اہمیت و قدر کتنی زیادہ ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت عمدہ طریقے سے تجارت کیا کرتے تھے اور اچھے سے اچھے مال کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ اپنے مال کا کافی حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ غلاموں کو آزاد کراتے، کمزور، نادار مسلمانوں کی کفالت کیا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے لیے سب سے پہلے جو زمین خریدی گئی اس کی قیمت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی۔

(فتح الباری:192/7)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لیے اس قدر مفید ثابت نہیں ہوا۔'' (کنز العمال : 316/6) یعنی جتنا مال ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری اور اسلام کی خاطر تنگی ترشی کے زمانے میں خرچ کیا اتنا کسی اور نے خرچ نہیں کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ حقیقت یہی ہے کہ ایک مسلمان فراخ دل اور انسانیت کا ہمدرد ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور ہم سب کو یہ اعلیٰ صفات اپنانے اور اپنی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.



مدینہ طیبہ کے دلفریب نظارے

عہد نبوی کے ایمان افروز واقعات کی عمدہ پیرائے میں اعلیٰ منظر کشی

عبدالمالک مجاہد

سیرت پاک کا مسافر یثرب کے اس خوبصورت ماحول کو نہایت عمیق نگاہوں سے دیکھ رہا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی تشریف آوری کے بعد معطر ہو چکا ہے۔ اس چھوٹی سی مگر نہایت اہم بستی کا نام اب مدینۃ الرسول ہے۔ اس بستی میں چھوٹے چھوٹے گھر ہیں۔ بستی کے وسط میں کچی اینٹوں سے بنی ہوئی مسجد ہے جو رقبے کے اعتبار سے کوئی خاص بڑی نہیں ہے۔ پہلے اس کا محراب شمال کی جانب تھا مگر اب جنوب کی طرف تبدیل کر دیا گیا ہے۔ مسجد کی مغربی جانب اللہ کے رسول ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے اپنا بازار بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے یثرب کی تجارت پر یہود چھائے ہوئے تھے۔ وہ یثرب کے قبائل اوس و خزرج سمیت دیگر قبائل کو سود پر قرضے دیا کرتے تھے۔ انھیں آپس میں لڑائی پر اکساتے اور پھر جب وہ آمنے سامنے آنے کے لیے تیار ہو جاتے تو فریقین کو مہنگے داموں اسلحہ سپلائی کرتے، سود پر رقومات بھی فراہم کرتے اور پھر سود در سود چلتا رہتا۔ اس طرح یہود عددی طاقت میں کم ہونے کے باوجود عملاً یثرب کے مالک بنے بیٹھے تھے۔

یہود کا مشہور بازار، جو بنو قینقاع کے محلے میں تھا، بقیع الغرقد کے پیچھے واقع تھا۔ یہ وہی بازار تھا جس میں سیدنا عبدالرحمن بن عوف نے سب سے پہلے تجارت کا آغاز کیا تھا۔ اگر ہم مسجد نبوی کو اپنے سامنے رکھیں اور ہمارا چہرہ قبلہ کی جانب ہو تو نقشہ کچھ اس طرح بنتا ہے کہ آپ کے سامنے جنوب، پشت پر شمال، دائیں جانب مغرب اور بائیں ہاتھ پر مشرق ہو گا۔ بنو قینقاع کا بازار مشرق کی طرف تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کے افراد کو اپاہج نہیں بنایا کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں، بلکہ ان کو محنت کرنے کی تلقین کی اور تجارت کی ترغیب دی۔ اللہ کے رسول ﷺ اس بازار میں کبھی کبھار خود بھی تشریف لے جاتے۔ تاجروں کو دیانت داری سے کام کرنے کی تلقین

مکتوب الریاض

فرماتے اور جہاں کوئی خرابی نظر آتی اس کی اصلاح فرماتے۔ جب ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیاوی حکمرانوں کی طرح متکبر قطعاً نہیں تھے۔ آپ ﷺ چھوٹوں پر رعب جماتے نہ ہی چلتے وقت زمین پر زور زور سے پاؤں مارتے۔ آپ کے چلنے کا انداز اس طرح تھا کہ گویا آپ بلندی سے نیچے اتر رہے ہوں۔ آپ ﷺ تیز رفتاری سے چلتے۔ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ تھکے ہوئے یا خدانخواستہ سست ہیں۔ صحابہ کرام جب اللہ کے رسول ﷺ کو مسجد کے باہر دیکھتے تو آپ ﷺ کے ساتھ احتراماً چلنا شروع کر دیتے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں رات بھر بارش ہوئی۔ مسلمانوں کے بازار میں غلے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، جو بارش سے بھیگ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ہر قدم امت کے لیے بہترین رہنمائی کا سبب تھا۔ آپ ﷺ بازار میں تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا رات کی بارش کے باوجود غلہ خشک ہے، آپ نے ڈھیر میں اپنا مبارک ہاتھ داخل کیا، اندر سے اناج کے دانے گیلے تھے، اس کے برعکس ڈھیر کے اوپر غلہ خشک نظر آ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس دکان کے مالک سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا: «مَاهٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟» ”ارے بھئی! یہ کیا معاملہ ہے، ڈھیر کے اندر تو غلہ گیلا ہے جبکہ ڈھیر کے اوپر کے دانے خشک ہیں۔“

اس نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! رات کو بارش ہوئی تو اناج گیلا ہو گیا۔ میں نے اندر



کے خشک دانوں کو ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا اور گیلے دانوں کو ڈھیر کے اندر کردیا۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے صرف تین الفاظ ارشاد فرمائے اور کوزے میں معانی ومطالب کا دریا بند کر دیا، فرمایا: «مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي» ''جس نے دھوکا دہی سے کام لیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' (صحیح مسلم: 102)

قارئین کرام! مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ واقعہ کئی مرتبہ پڑھا یا سنا ہوگا، ذرا غور کیجیے! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کی تربیت کس عمدہ انداز میں فرمائی۔ آپ نے نہ تو صاحب دکان کو برا بھلا کہا اور نہ اسے ڈانٹا بلکہ اسے صاف لفظوں میں بتادیا کہ اسلام میں دھوکا دینا کسی صورت جائز نہیں۔

قارئین کرام! تجارت کے باب میں چند رہنما اصول رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بتادیے، ان کو بتادیا کہ سچے اور دیانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء، صدیقین اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ مسلمانوں کی عمومی طور پر رہنمائی کردی گئی کہ حلال مال میں برکت ہے۔ برکت سے مراد صرف یہی نہیں کہ اس کے پاس فالتو پیسہ ہوگا بلکہ برکت کا مفہوم بڑا وسیع ہے جس میں صحت، تندرستی، گھر میں پیار، وفاداری، بچوں کا فرماں بردار ہونا جیسی کتنی ہی باتیں شامل ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ بازار میں یا کسی صحابی کے گھر تشریف لے جاتے تو کبھی کبھار آپ کے ہاتھ میں عصا مبارک ہوتا یا کھجور کی ٹہنی کی شاخ ہوتی، کبھی ضرورت پڑنے پر آپ اس پر ٹیک لگا لیتے۔ اس دور میں یہ عربوں کی عادت تھی کہ ان کے بڑے گھر سے باہر نکلتے تو ان کے ہاتھ میں عصا ہوتا یا کھجور کی ٹہنی ہوتی۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی کبھی کبھار اس پر عمل کرتے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا عصا بڑا معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے عصا کے بڑے بڑے فوائد کے ساتھ ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا تھا کہ میں تھکاوٹ کی وجہ سے اس کے ساتھ ٹیک لگا لیتا ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھیوں کے گھروں میں بھی تشریف لے جاتے، ان کی غمی اور خوشی میں شریک ہوتے اور اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی تیمار داری کرتے۔ مشہور انصاری صحابی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ بیماری میں شدت آتی چلی گئی۔ یہ اپنی قوم کے اہم افراد میں سے تھے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو ان کی بیماری کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ سعد بن عبادہ کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ اللہ کے رسول ﷺ بنفس نفیس ان کے گھر تشریف لاتے ہیں۔ میں نے اوپر ذکر کیا کہ جب آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لاتے تو صحابہ کرام کی خواہش ہوتی کہ وہ آپ ﷺ کے اردگرد قریب ہی موجود رہیں، مبادا آپ کو کوئی ضرورت پڑ جائے۔ جب آپ ﷺ سعد بن عبادہ کے گھر جانے لگے تو سیدنا عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ہمراہ ہوگئے۔ سعد بن عبادہ پر غشی طاری تھی۔ ان کے اردگرد ان کے عزیز واقارب جمع تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے پیارے اور جاں نثار ساتھی کی طرف دیکھا تو پوچھا: «قَدْ قَضَى» ''کیا سعد وفات پاگئے ہیں؟'' عرض کی گئی: ''نہیں وہ زندہ ہیں۔'' سعد بن عبادہ کوئی عام انسان نہ تھے۔ خزرج قبیلے سے تعلق رکھنے والے سعد قدیم الاسلام تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں شامل تھے۔ اور ان بارہ خوش نصیب صحابہ میں ایک تھے جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے نقیب مقرر کیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے مشہور تھے۔ اپنے ساتھی کی حالت دیکھی تو اللہ کے رسول ﷺ پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں میں آنسو آگئے، آپ کے ساتھیوں نے اپنے عظیم قائد کو روتا ہوا دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو اس موقع پر صبر کے حوالے سے درس دیا۔ ارشاد فرمایا: ''سنو! اللہ ربّ العزت ان آنسوؤں کی وجہ سے اور دل میں غم کرنے سے عذاب نہیں دیتا بلکہ (اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:) اس سے نکلے ہوئے بے صبری والے کلمات اور جزع وفزع کی بدولت اللہ تعالیٰ میت کو عذاب دیتا ہے اور اگر کوئی اپنی زبان سے صبر والے کلمات نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ میت پر رحمت فرماتا ہے۔''
(صحیح البخاري: 1304)

قارئین کرام! ذرا غور کریں! اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت پر کس قدر مہربان اور شفیق ہیں کہ جب اپنے ساتھی کو دیکھا کہ اس پر غشی طاری ہے تو آنکھوں میں آنسو آگئے، اور پھر اللہ کے فضل وکرم اور اللہ کے رسول ﷺ کی دعا وبرکت سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ شفایاب ہوجاتے ہیں۔ انھیں بتایا جاتا ہے کہ کس طرح



اللہ کے رسول ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تھے اور آپ ﷺ ان کی حالت پر رو دیے تھے، سعد اور ان کے خاندان والے اس عزت و شرف پر کتنا خوش ہوئے ہوں گے اور ان کے دلوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی عظمت، عزت اور محبت میں کتنا اضافہ ہوا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ''بلاشبہ تمھارے پاس تمھی میں سے ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں کہ تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا ان پر گراں گزرتا ہے۔ وہ مومنوں کے لیے نہایت شفیق اور بہت رحم کرنے والے ہیں۔'' (التوبة 9: 128)

قارئین کرام! سعد بن عبادہ تو آپ ﷺ کے صحابی تھے، آپ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک غیر صحابی بلکہ غیر مسلم بچے کے گھر اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ آیئے حدیث پاک کی روشنی میں اس واقعے کو پڑھتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی لڑکا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوگیا، اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی بیماری کا علم ہوتا ہے تو آپ ﷺ اس کی تیمارداری کے لیے اس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے اس کا نام ہے رحمت، اس کو اعلیٰ اخلاق کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ باجود نہایت مصروف ہونے کے اس کے گھر میں اس کی چارپائی پر اس کے سر کے قریب تشریف فرما ہیں اور اس کا حال پوچھ رہے ہیں۔ انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ محمد ﷺ اس یہودی بچے سے فرما رہے ہیں: ''بیٹا! اسلام قبول کرلو۔'' اس کا باپ بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ بچے نے اجازت طلب نگاہوں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو باپ نے کہا: ابو القاسم (ﷺ) کی اطاعت کرو، یعنی ان کا حکم مان لو اور اسلام قبول کرلو، تو اس بچے نے اسلام قبول کرلیا۔

اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس سے اٹھے تو ارشاد فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ» ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے اس بچے کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔''

(صحيح البخاري: 1356)

قارئین کرام! آپ نے غور کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کتنے متواضع تھے، ایک غیر مسلم بچہ ہے، جو چند دنوں کے لیے آپ کی خدمت کرتا ہے، وہ بیمار ہوا تو اس کو صلہ کیا مل رہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کی تیمارداری کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے ہیں، وہ جہنم سے نکل کر جنت کا مستحق بن رہا ہے..... آگے بڑھنے سے پہلے راقم الحروف سمیت ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر سوال کریں کیا ہم کبھی اپنے خدمت گزاروں کے گھر ان کی تیمارداری کے لیے گئے ہیں؟ بلاشبہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی دلیل ہے۔ یہ آپ کی تواضع ہے اور اس میں امت کے لیے درس ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں، اگر کسی نے آپ کے ساتھ نیکی کی ہے تو اس کا بدلہ اچھے طریقے سے ادا کریں۔

اگر مریضوں کی عیادت کی بات چلی ہے تو پھر خزرج قبیلے سے تعلق رکھنے والے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی عیادت کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ وہ بڑی فرحت وانبساط کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی ان کے گھر میں تشریف آوری اور ان کی عیادت کے واقعہ کو بیان کررہے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کا تعلق بنو سلمہ سے تھا جو قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ ہے، ان کا گھرانہ مسجد قبلتین والے علاقے میں آباد تھا۔ ایک مرتبہ یہ بیمار ہوجاتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی تیمارداری کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کا پورا کنبہ قبیلہ، خاندان اگر اس بات پر فخر کرے تو بجا ہے کہ ان کے گھر کائنات کے امام تشریف لائے ہیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ ان کے گھر پہنچے تو اس وقت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ شدت مرض کے باعث بے ہوش ہو چکے تھے۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ ان کے گھر میں کون سی اعلیٰ وارفع ہستی تشریف لائی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے پیارے ساتھی کی یہ حالت دیکھی کہ وہ بے ہوشی کے عالم میں ہیں تو رؤف و رحیم پیغمبر وضو کرتے ہیں۔ اپنے مقدس اور مطہر وضو کا بچا ہوا پانی جابر بن عبداللہ پر چھڑکتے ہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس عمل سے فوری افاقہ ہوا۔

قارئین کرام! وہ کتنا ہی خوبصورت منظر ہوگا جب جابر رضی اللہ عنہ آنکھ کھولتے ہیں اور سامنے اپنے



آپ کے خطوط

”شادی کا فنکشن ایک ہوجائے“ پر آراء

مکتوب الریاض

محبوب قائد کو دیکھتے ہیں ۔ان کی خوشی کا عالم اس وقت کیا ہوگا۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بھی ان قیمتی لمحات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ سے مسئلہ پوچھ رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے والدین وفات پاچکے ہیں ،میری کوئی اولاد بھی نہیں ہے ،(عربی زبان میں ایسے شخص کو”کلالہ“ کہتے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ! میری میراث کیسے تقسیم ہو گی؟اللہ کے رسول ﷺ ان کو فوری جواب نہیں دے رہے کیونکہ اس سے پہلے اس بارے میں کوئی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

پھر سورۃ النسآء کی آخری آیت (176) نازل ہوتی ہے۔ (صحيح البخاري: 6743) اللہ رب العزت اپنے بندوں کو”کلالہ“ کی میراث کا مسئلہ سمجھارہے ہیں ۔سیدنا جابر کے سوال کی بدولت قیامت تک کے انسانوں کا فائدہ ہوجاتا ہے۔

قارئین کرام!اللہ کے رسول ﷺ کی دعا کی برکت سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما تندرست ہوجاتے ہیں اور پھر طویل عمر پاتے ہیں ، بلکہ روایات کے مطابق مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی صحابی تھے۔

اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ کو اپنائیں،اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت اور پیار کریں، اگر وہ ضرورت مند ہیں تو ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کریں، بیمار ہیں تو ان کی تیمارداری کریں ،ان کو کبھی کبھار تحفے ارسال کیا کریں ،تو آپ دیکھیں گے آپس کی محبت میں اضافہ ہوجائے گا،آپ کتنے ہی لوگوں کے محبوب بن جائیں گے۔

محترم ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رسالہ ضیائے حدیث بہت مفید اور معلوماتی رسالہ ہے اس کا خوبصورت ٹائٹل، طباعت، علمی و اصلاحی مضامین واقعی دارالسلام کی تحقیق کے آئینہ دار ہیں۔ رسالہ ہاتھ میں آتا ہے تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ جلد از جلد تمام مضامین کا ترتیب وار مطالعہ کرلیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کی محنتوں کو قبول فرمائے۔آمین۔

شادی کا ایک ہی فنکشن ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ یہ شریعت کی نظر میں مستحسن بھی ہے اور والدین کے لیے بھی آسانی ہے۔ مگر ہر قبیلے، برادری اور ملک کے خاص رسم و رواج ہوتے ہیں۔ ان عادات کو چھوڑنے پر طبیعت جلدی مائل نہیں ہوتی۔ اس کو متعارف کرواتے کرواتے کچھ وقت لگے گا۔ ہاں اگر اس سلسلے میں پہلی اینٹ ہم ہی رکھ دیں تو لوگ باتیں بھی نہ بناسکیں گے اور ایک اچھے کام کی ابتدا بھی ہو جائے گی۔ میں تو شادی بیاہ کے موقع پر بے جا اخراجات سے بچنے کی تجویز اپنی برادری کے پلیٹ فارم ”رابطہ ویلفیئر سوسائٹی“ کے سالانہ اجلاس پر پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ میں خود آپ کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ جو بھی اس تجویز پر عمل کرے گا یقیناً فائدے میں رہے گا۔(ان شاء اللہ)

والسلام

نجیب الرحمٰن کیلانی



امریکی مفادات کی جنگ کا انجام

ملکی صورتحال



محمد انیس الرّحمٰن

اے این پی کی جانب سے سیاسی ومذہبی جماعتوں کی بلائی گئی کانفرنس نتائج کے لحاظ سے بری طرح ناکام رہی ہے۔ اس ناکامی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اے این پی کے سربراہ جناب اسفند یار ولی موجودہ ''جمہوری'' حکومت کے قیام کے ساتھ ہی صوبہ خیبر پختون خواہ میں حکومت بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔اس دوران انھوں نے اور ان کی جماعت نے پیپلز پارٹی کی اتحادی جماعت کے طور پر ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیااور پھر سوات میں ایک ایسا آپریشن شروع ہوا جس سے بہت سی دردناک کہانیوں نے جنم لیا۔ مولوی فضل اللہ کا گروپ یہاں سے فرار ہوکر افغانستان میں پناہ گزین ہوا اور وہاں سے بیٹھ کر انھوں نے صوبہ خیبرپی کے میں دہشت گردی کی وارداتوں کا دائرہ بڑھا دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسی وقت مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا جاتا تاکہ خونریزی کو مزید بڑھنے سے روکا جاتا لیکن وہ وقت ''امریکہ کو راضی'' کرنے کا تھا۔اس لیے اے این پی کے لیڈر اس جنگ کو آخری دم تک جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کرتے رہے اور اس کے جو نتائج نکلے وہ ہم سب کے سامنے ہیں۔ اس دوران اے این پی کے سربراہ ''سیکورٹی وجوہات'' کی بنا پر اپنا زیادہ وقت ملائیشیا میں گزارتے رہے اور وقتاً فوقتاً پاکستان آکر اس جنگ کو جاری رکھنے کا اعلان کرجاتے لیکن اب چونکہ انتخابات سر پر آن پہنچے ہیں اور صورتحال یہ ہے کہ اس جنگ میں پاکستانی طالبان نے اے این پی کی قیادت کو ان کے گھروں تک محدود کردیا ہے۔ وہ باہر نکل کر آزادانہ الیکشن مہم نہیں چلا سکتے، الیکشن جیتنا تو دور کی بات ہے۔ اسی دوران پاکستانی طالبان کی جانب سے حکومت کو امن مذاکرات کی دعوت دے دی گئی۔ اس دعوت میں اے این پی کو اپنے لیے راہ نجات نظر آنے لگی کیونکہ مذاکرات کے ذریعے ہی وہ پاکستانی طالبان کے مختلف گروپوں کی دہشت گردی کی وارداتوں سے محفوظ رہ سکتی تھی اور اس کی قیادت انتخابی مہم شروع کرسکتی تھی اسی لیے ہر طرف سے مذاکرات کرنے کی حمایت میں آوازیں بلند ہونے لگیں یہاں تک کہ وہ لبرل حلقے جو کچھ طالبان کو ظالمان کہا کرتے تھے اب مذاکرات کی بات کرنے لگے ہیں لیکن اس سارے منظرنامے میں اے این پی کو کوئی زیادہ فائدہ ہوتا نظر نہیں آرہا کیونکہ پاکستانی طالبان نے مذاکرات کی ضمانت کے لیے جن تین ناموں کا اعلان کیا ہے ان میں سے کوئی بھی



اے این پی کے ساتھ کھڑے ہونے کو تیار نہیں، یعنی نواز شریف، جماعت اسلامی اور جے یو آئی۔ کیونکہ جوکوئی بھی اے این پی کے ساتھ کھڑا ہوگا وہ ٹارگٹ لسٹ پر آجائے گا۔ دوسری جانب اے این پی کی حکومتی اتحادی جماعت پیپلز پارٹی ہے جو اس صورتحال میں اسے کندھا دینے کے لیے تیار نہیں۔ یہی وہ صورتحال تھی جب آخری پتے کے طور پر اے این پی نے مذاکرات کے نام پر آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کردیا لیکن اس کانفرنس میں بھی اصل جماعتیں شریک ہونے سے گریزاں تھیں۔ ان میں سے بعض کو انتہائی مشکل سے منایا گیا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ 24 سیاسی و مذہبی جماعتوں نے اس کانفرنس میں شریک ہو کر طالبان سے مذاکرات کی حمایت کی ہے۔ کانفرنس کے اختتام پر مشترکہ اعلامیہ، جو جناب اسفندیار ولی نے پڑھ کر سنایا، میں کہا گیا ہے کہ خون آلود دامن کو پُرامن مذاکرات کے پانی سے دھونا ہوگا۔ مسئلہ کا پُرامن حل آئین و قانون کے اندر ہونا چاہیے۔ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف نے بعض تحفظات کے باعث اے پی سی میں شرکت نہیں کی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اے پی سی طالبان سے مذاکرات کی راہ ہموار کر سکے گی کیونکہ مذاکرات کی کامیابی تو بعد کی بات ہے مذاکرات کا اظہار ہی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک متحارب فریقین یقین یا اعتبار کی اس منزل تک نہ پہنچ جائیں کہ وہ اپنی بات منوا سکیں گے یا فریق مخالف ان کی بات ماننے کی پوزیشن میں ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو اے این پی کا دامن خالی نظر آتا ہے۔ خیبر پی کے میں پانچ سالہ اقتدار کے دوران اے این پی نے عملاً خود کو امریکہ سے بڑھ کر طالبان کا دشمن ثابت کیا ہے اور اس کانفرنس کے انعقاد سے صرف دو روز قبل اے این پی کے سینیٹر زاہد خان نے ڈرون حملوں کی حمایت کی اور دعویٰ کیا کہ ڈرون حملوں سے صرف دہشت گرد نشانہ بن رہے ہیں جبکہ خود امریکہ میں ڈرون حملوں کے خلاف رائے عامہ پروان چڑھ رہی ہے۔ امریکی ذمہ داران اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ ان سے فوائد کی بجائے نقصانات زیادہ ہوئے ہیں۔ اس اے پی سی میں جس بات پر اتفاق رائے کیا گیا وہ یہ کہ طالبان سے مذاکرات کیے جانے چاہییں۔ دیکھا جائے تو بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے پر اتفاق رائے ہے کہ کانفرنس ایسا کوئی عملی یا ٹھوس لائحہ عمل سامنے نہیں لاسکی کہ یہ گھنٹی کیسے باندھی جائے۔ یہ اگر تحریک طالبان پاکستان کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش کا مثبت جواب ہے تو اس میں ان شرائط کے حوالے سے کچھ نہیں کہا گیا جو طالبان نے پیش کی ہیں اور جو ان کی جانب سے مذاکرات کی راہ ہموار کرسکتی ہیں۔ کانفرنس کا مشترکہ اعلامیہ ان سیاسی جماعتوں کی جانب سے حکومت کو یہ تجویز یا سفارش ہے کہ طالبان سے مذاکرات اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے قومی پالیسی یا ایجنڈا تشکیل دیا جائے لیکن ایسی کسی حکمت عملی کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہے کہ اگر حکومت ایسی قومی پالیسی یا ایجنڈا تشکیل نہیں دیتی تو ان جماعتوں کا اگلا قدم کیا ہوگا، لہٰذا اس طرح کی بے نتیجہ کانفرنس پر تحریک طالبان پاکستان کی جانب سے کس ردِعمل کا اظہار کیا گیا وہ غیر متوقع نہیں ہے۔

تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان احسان اللہ احسان نے کہا ہے کہ اے این پی کے زیراہتمام اے پی سی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اے پی سی کے اعلامیہ میں امن مذاکرات کے لیے روڈ میپ نہیں دیا گیا۔ اے پی سی، اے این پی کی سیاسی مہم ہے۔ اے پی سی کا اعلامیہ الفاظ کا کھیل ہے اور سیاسی رہنماؤں کی اہلیت پر سوالیہ نشان ہے۔ ہم اب بھی حکومت کی جانب سے نتیجہ خیز اور سنجیدہ جواب کے منتظر ہیں۔ اسلام اور ملک کی بھلائی کے لیے مذاکرات کی حامی بھری ہے مذاکرات کرنا ہماری کمزوری نہ سمجھا جائے۔ جہاں تک طالبان سے مذاکرات کا تعلق ہے حکومت پاکستان کی جانب سے تادمِ تحریر اس کا مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ حکومت کے حامی اور طالبان مخالف حلقوں کی جانب سے یہ عجیب و غریب شرائط سامنے آئی ہیں کہ طالبان حکومت کی رٹ تسلیم کریں۔ ہتھیار ڈال دیں اور دہشت گردی سے باز آجائیں۔ اس کا مطلب ہے تب حکومت پاکستان کی جانب سے ان کی مذاکرات کی درخواست پر غور کیا جاسکتا ہے، نہ جانے کس عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک طالبان پاکستان کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش کو ان کی درخواست سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان کی جانب سے واضح طور پر شرائط پیش کی گئی ہیں، اب حکومت پاکستان کی جانب سے ان شرائط کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا



جائے یا ان کے جواب میں حکومت اپنی شرائط پیش کرے تب مذاکرات کا عمل جاری ہو سکے گا، یعنی دونوں جانب سے اعتماد سازی کے اقدامات لازمی ہیں کیونکہ ماضی میں دونوں جانب سے ایک دوسرے پر معاہدوں کی خلاف ورزی کے الزامات عائد کیے جا رہے ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ تحریک طالبان پاکستان نے (ن) لیگ کے سربراہ میاں نواز شریف، جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے قائد مولانا فضل الرحمٰن اور ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر قدیر خان کی ضمانت کا تقاضا کیا ہے۔ اگر حکومت کی جانب سے جوابی شرائط پیش کی گئیں تو وہ قریب قریب وہی ہو سکتی ہیں جو حکومت کے حامی یا طالبان مخالف حلقوں کی جانب سے پیش کی جا رہی ہیں۔ جائزہ لیا جائے تو طالبان کے لیے ایسی شرائط کو تسلیم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ حکومت کے لیے طالبان کی جس شرط کو ماننا ناممکن نظر آ رہا ہے وہ ہے ''امریکی جنگ سے لاتعلقی اختیار کرنا۔'' اس جنگ میں شرکت ہی پاکستان کے لیے مسلسل عذاب بنی ہوئی ہے۔ کیا پاکستان کی سول اور عسکری قیادت کے لیے اس جنگ سے علیحدگی اختیار کرنا ممکن ہے جن کی جانب سے امریکیوں سے بڑھ کر پاکستان کی جنگ قرار دیا جاتا رہا ہے جبکہ پاکستانی عوام کی بہت بڑی اکثریت نے حکومت اور فوج کے اس مؤقف کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کے نزدیک یہ امریکی جنگ ہے۔ سینئر بش کے بقول جدید صلیبی جنگ ہے جو واضح طور پر اسلام کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ پہلی صلیبی جنگ کی طرح پوری عیسائی دنیا اس جنگ میں صلیب تلے اکٹھی ہے۔ ترکی اور قطر کی علامتی شرکت اور پاکستان کی بھرپور حصہ داری نے اس کی نوعیت اور مقاصد کو تبدیل نہیں کیا ہے۔ اس جنگ کا یہ قابل غور پہلو ہے کہ امریکہ سمیت کوئی دوسرا ملک جو عملاً اس جنگ میں شریک ہے براہ راست متاثر نہیں ہوا جس بُری طرح پاکستان متاثر ہوا ہے۔ اس جنگ میں حصہ دار بننے کے لیے فوجی ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف نے جو قلابے ملائے تھے جس طرح پاکستان میں ڈالروں کی ریل پیل اور اس کے نتیجے میں ملکی معیشت کے اوج ثریا پر پہنچنے کے قوم کو خواب دکھائے۔ ایٹمی اثاثہ جات کے تحفظ اور مسئلہ کشمیر کے حل کے جو بلند بانگ دعوے کیے تھے ان سب کا حاصل جمع معیشت کی تباہی، غیر ملکی قرضوں کا بوجھ، دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں زندگی غیر محفوظ اور ہر طرف خوف و ہراس کے پھیلے سائے ہی ہیں۔ جہاں تک ڈالروں کی ریل پیل کا تعلق ہے ہاں یہ ضرور ہوئی مگر کہاں کون ان سے فیض یاب ہوا فی الحال اس کا جواب تاریخ پر چھوڑ دیا جائے۔ جہاں تک اے این پی کی جانب سے اے پی سی کا انعقاد ہے یہ اس لیے بھی غیر مؤثر ہے کہ یہ ایسے وقت منعقد کی گئی جب صوبہ خیبر پختونخواہ میں اے این پی کی حکومت کے صرف تین ہفتے باقی ہیں۔ پورے پانچ سال اے این پی، جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن کے بقول امریکہ کا دم چھلا بنی رہی اور ایک نقطۂ نظر اب بھی یہ ہے کہ اس اے پی سی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مقصد بھی امریکہ کی خدمت ہی ہے کہ طالبان کو مذاکرات میں الجھا کر طورخم سے گزرنے والے امریکی فوجی سامان کے قافلوں کو محفوظ راستہ دیا جا سکے یا اس کا سیاسی مقصد ہے کہ آنے والے انتخابات میں خود کو طالبان کا دوست ظاہر کر کے فائدہ اٹھایا جائے۔ بہرحال وقت کے لحاظ سے یہ اے پی سی بے وقت کی راگنی ہی ثابت ہوئی ہے۔ 2001ء سے پہلے طالبان افغانستان کی حدود میں محدود تھے۔ یہ امریکی جنگ کی مہربانی اور اس جنگ کا حصہ دار بننے کی ہماری عاقبت نا اندیشانہ پالیسی کا نتیجہ ہے کہ اس جنگ کا دائرہ افغانستان سے نکل کر پاکستان بھر میں پھیل گیا ہے۔ اربوں ڈالر کا نقصان، ہزاروں کی تعداد میں فوجی اور عام شہریوں کی ہلاکتیں، ہزاروں زخمی اور معذور اور شمالی و جنوبی وزیرستان کا علاقہ خود پاکستانی فوج کے لیے نوگو ایریا۔ اس کے باوجود خود کو اس جنگ سے علیحدہ کرنے کے ارادے پروان چڑھتے نظر نہیں آ رہے۔ طالبان پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے امریکہ سے جنگ کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دے کر نہ صرف افغانستان بلکہ پاکستان کے مذہبی حلقوں کی ہمدردیاں حاصل کر لی ہیں مگر یہ آدھا سچ ہے۔ باقی آدھا سچ یہ ہے کہ سینئر بش نے افغانستان پر حملہ کو صلیبی جنگ قرار دے کر اور پوری عیسائی دنیا کو اس میں عملاً شریک کر کے



خود اسے اسلام اور کفر کی جنگ کا تأثر دیا تھا۔ بعد ازاں جلد ہی امریکیوں نے اسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دے دیا لیکن مسلمانوں کی بڑی اکثریت نے بالخصوص پاکستانیوں نے اسے امریکی چالبازی سمجھا ہے۔ طالبان کے پاس اسے کفر و اسلام کی جنگ قرار دینے کا جواز اس وقت تک موجود رہے گا جب تک امریکہ ایک جارح حملہ آور کے طور پر افغانستان میں موجود ہے۔ پاکستان پر بھی وہ اسے کافروں کا مدد گار سمجھ کر حملے کرتے ہیں۔ طالبان کے لیے یہ جواز ختم ہو سکتا ہے اگر پاکستان امریکی جنگ سے علیحدگی اختیار کر لے تب وہ اسے کفر کا ساتھ دینے والوں کے خلاف جنگ کا نام نہیں دے سکیں گے۔ پاکستان میں جب بھی کوئی دہشت گردی ہو یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ طالبان نے کی ہے اور پھر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں پر حملے کیا اسلام ہے؟ یہ کیسے مسلمان ہیں جو پاکستان میں مسلمان بھائیوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنا رہے ہیں؟ ان کی طرف سے اگر سوال اٹھایا جائے کہ ان پر ڈرون حملوں کی اجازت دینا ان سے برسر پیکار کافروں کی جنگی ضرورت پوری کرنا اگر عین اسلام ہے تو ایسے ہی اسلام کے وہ بھی پیروکار ہیں۔ تب کیا جواب ہوسکتا ہے۔

یہ حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کھلے دل سے تسلیم کر لینا چاہیے کہ فوجی ڈکٹیٹر نے پاکستان کو امریکی جنگ میں الجھانے کی جو فصل بوئی تھی وہ آج پوری قوم کو کاٹنی پڑ رہی ہے جن میں اس جنگ سے اتفاق نہ رکھنے والے بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں بعض حلقوں کی جانب سے یہ دہائیاں دی جا رہی ہیں کہ امریکہ، افغانستان کو اس طرح چھوڑ کر نہ جائے جس طرح سوویت یونین کی شکست کے بعد چلا گیا تھا ورنہ طالبان پھر آ جائیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ افغانستان میں امریکہ اگر سوویت یونین کی شکست کے بعد نہیں ٹھہر سکا تو خود اپنی شکست کے بعد کیسے ٹھہر سکے گا۔ دوسری بات یہ کہ ہم کیوں اس بات کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں کہ افغانستان میں کون آئے اور کون جائے۔ افغان عوام جانے اور ان کا ملک، ہمیں پرائی شادی میں عبداللہ دیوانہ بننے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر افغانستان میں دوبارہ ملا عمر کی حکومت بن جاتی ہے اور وہ اپنی سوچ کے مطابق اسلام نافذ کرتے ہیں تو ہمارے اعتراض کا کیا جواز ہے۔ پاکستان میں نام نہاد روشن خیال لوگ طالبانائزیشن پر بہت چیں بہ جبیں ہوتے ہیں ان لوگوں کی گفتگو سے طالبانائزیشن کی جو تشریح سامنے آتی ہے وہ حسب ذیل ہے:

''زبردستی نماز پڑھواتے ہیں، جبراً داڑھی رکھواتے ہیں، عورتوں سے پردہ کرواتے ہیں، خواتین کو تعلیم سے روکتے ہیں، سینما اور تھیٹر وغیرہ کی اجازت نہیں دیتے۔ مخلوط محفلوں کے مخالف ہیں۔'' پہلی بات یہ کہ 2001ء سے پہلے یہ سب کچھ انھوں نے اپنے ملک کی حدود میں کیا۔ پاکستان میں ایسا کچھ نہیں کیا۔ 2001ء کے بعد جب افغانستان میں ملا عمر کی حکومت ختم کر دی گئی۔ قبائلی علاقوں پر امریکی ڈرون قہر نازل ہوا تب بھی ان کی جانب سے نہیں قبائلی عوام کی جانب سے باجوڑ، سوات اور دیگر علاقوں میں ردعمل دیکھنے میں آیا۔

طالبان سے مذاکرات ہی ملک میں امن و امان کی کلید ہیں اور اس کے لیے امریکی جنگ سے علیحدگی ضروری ہے۔ اس وقت امریکہ کی سب سے بڑی ضرورت افغانستان سے بھاری جنگی ساز و سامان بحفاظت نکال لے جانا ہے اور اس مقصد کے لیے پاکستان ہی واحد گزرگاہ ہے۔ اس لیے وہ آخری وقت تک پاکستان کو اس معاملے میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ افغانستان میں ایسا سیٹ اپ چاہتا ہے جو اس کے مفادات کا تحفظ بھی کرے اور طالبان بھی اس کا حصہ بن کر رہیں اور اسے ہر طرح کی مزاحمت و مخالفت سے محفوظ کر دیں۔ پاکستان میں جب بھی طالبان سے مذاکرات کی بات چیت ہوتی ہے امریکہ کی جانب سے پاکستان کو دباؤ میں رکھنے والا بیان آ جاتا ہے، حالانکہ اے این پی کی آل پارٹیز کانفرنس اس جانب کوئی ٹھوس پیش رفت نہیں ہے۔ مگر امریکی سنٹرل کمان کے نامزد کمانڈر جنرل لائیڈ جے آسٹن کا یہ بیان آ گیا ہے کہ ''پاکستان میں افغان جنگجوؤں کی پناہ گاہیں امریکہ کے لیے خطرہ ہیں۔'' بہرحال امریکہ تو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جو بن پڑا کرے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت پاکستان کے مفادات کا تحفظ کیسے کرے گی۔ اٹھارہ کروڑ پاکستانیوں کی نظریں ان پر لگی ہوئی ہیں۔ یہ وقت وطن عزیز کو مزید خونریزی سے بچانے کا ہے نہ کہ انتخابی مہم کے لیے مواقع تلاش کرنے کا۔

ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری (وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی) کا معلومات افزا انٹرویو

علم نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کا محافظ ہے

محمد ارسلان حجازی



سوال ڈاکٹر صاحب! یہ فرمائیں کہ آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی اور اس کے بعد کہاں کہاں خدمات انجام دیں؟

جواب میٹرک میں نے بوریوالہ ٹیکسٹائل ملز ہائی سکول سے کیا۔ میرے والد، اللہ ان کو لمبی زندگی دے، انجینئر تھے تاہم ان کا شوق تھا کہ میرا ایک بیٹا عربی پڑھے اور دینی تعلیم حاصل کرے، چنانچہ میں سکول کی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔ میٹرک کے ساتھ میں نے ادیب عربی اور مولوی فاضل کا امتحان بھی دیا اور پنجاب بھر میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ انٹرمیڈیٹ میں داخلہ لیا تو کالج جانے سے پہلے صبح مدرسے جا کر ایک عالم دین سے بھی دو اسباق پڑھا کرتا تھا۔ کالج سے واپس آ کر دو تین گھنٹے کے لیے پھر مدرسے جاتا۔ اس طرح میں نے درسِ نظامی کا سلیبس پڑھا۔ مزید تعلیم کے لیے لاہور آیا تو جامعہ اشرفیہ میں مولانا رسول خان صاحب سے ترمذی شریف پڑھی۔ پنجاب یونیورسٹی سے 1969ء میں ایم اے عربی اور گورنمنٹ کالج لاہور سے 1971ء میں ایم اے فلسفہ کا امتحان دیا۔ اسی دوران صحافتی میدان میں بھی کچھ عرصہ کام کیا۔ 8، 9 ماہ روزنامہ کوہستان، 3 ماہ پاکستان ٹائمز اور 6 ماہ پی پی آئی میں بشیر قریشی صاحب کے ساتھ کام کیا۔ صحافتی تجربہ کے بعد پانچ سال اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں فلاسفی پڑھائی۔ فلاسفی کے بعد میرا رجحان عربی کی طرف ہو گیا۔ عربی مطالعے کے سبب میری توجہ Orientalism کی طرف مبذول ہوگئی۔ Orientalism میں میرا موضوع تھا: ''مغرب اسلام اور قرآن کے بارے میں کیا کہتا ہے؟'' چنانچہ میں نے اکتوبر 1982ء سے لے کر مارچ 1986ء تک، ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ اور یونیورسٹی آف گلاسکو، برطانیہ سے عربی لسانیات اور کتاب اللہ کے لغوی محاسن سے متعلق موضوع پر پی ایچ ڈی کی۔ گلاسکو یونیورسٹی میں مَیں نے دو سال پڑھایا بھی ہے۔ 1985ء میں میری ایک کتاب ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے تعاون کے ساتھ مکتبہ فیصلیۃ سے عربی زبان میں شائع ہوئی۔ ایک کتاب دارالسلام کے زیر اہتمام طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ دنیا کی ایک بہت معروف University Of Arizona اور University Of Colorado کے بولڈر، کیمپس میں بطور فل برائٹ ریسرچ فیلو، میں نے Orientalism پر کام کیا۔ اس وقت اللہ کے فضل سے سرگودہا یونیورسٹی میں بحیثیت وائس چانسلر کام کر رہا ہوں۔ یہاں میں آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں کہ جب میرے والد نے مجھے دینی اور عربی کی تعلیم کے لیے مدرسے میں داخل کرایا تو ہماری ساری برادری نے لعن طعن کی اور سخت برا بھلا کہا کہ دیکھو اپنے بیٹے کو برباد کر رہا ہے اور اسے عربی پڑھا رہا ہے جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے مجھے جتنی بھی کامیابیاں دی ہیں اور جتنی بھی عزت و شہرت دی ہے یہ سب دین کی وجہ سے ہے۔

سوال آپ نے بہاولپور یونیورسٹی میں کب پڑھایا؟

جواب بہاولپور یونیورسٹی میں میں نے فروری



1972ء سے نومبر 1990ء تک پڑھایا ہے، وہاں 5، 6 سال فلاسفی اور اس کے بعد عربی پڑھاتا رہا۔

سوال سید ابوبکر غزنوی اس وقت اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں تھے؟

جواب محترم سید ابوبکر غزنوی میرے اساتذہ میں سے ہیں۔ ہر چند میں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہہ نہیں کیا لیکن جب تک وہ تقویۃ الاسلام میں جمعہ پڑھاتے رہے میں جمعہ کی نماز ان کے پیچھے پڑھتا تھا۔ اس وقت میں لاہور میں موہنی روڈ پر رہتا تھا۔ جب وہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں وائس چانسلر بن کر تشریف لے گئے تو اس وقت میں بغرضِ تعلیم 6 ماہ کی چھٹی پر سعودی عرب گیا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے فون پر ان سے بات کی تو وہ بڑے بارعب لہجے میں کہنے لگے: ''بھائی! آپ کیا کر رہے ہو وہاں؟ اب واپس آ جاؤ۔'' میرا جواب تھا: سر! میں فوراً واپس آ جاتا ہوں۔ اس طرح سید صاحب کی فون کال پر میں واپس آ گیا۔

سوال بحیثیت استاد آپ نے ان کو کیسا پایا؟

جواب بہت شفیق، بہت محبت اور پیار کرنے والے تھے۔ اللہ نے انھیں ایسا پرتاثیر انداز بیان دیا تھا کہ اس کے بعد میں نے بیسیوں لوگوں کو ان کا انداز گفتار اپناتے اور ان کے جملوں کے جملے دہراتے دیکھا۔ وہ ایک ایسے استاد تھے جن کا تأثر اپنے طلبہ پر ایک لمبا عرصہ قائم رہتا ہے۔

سوال سید صاحب جلالی طبیعت کے تھے یا جمالی طبیعت کے؟

جواب میں عینی شاہد ہوں کہ ان کی طبیعت بہت جلالی، باوقار اور بارعب تھی۔ ایک دفعہ ہمارے ایک کولیگ نے سید صاحب کے آرام کے وقت ان کی کوٹھی پر ایک درخواست بھیجی۔ ہمارے کولیگ کو اندازہ تھا کہ سید صاحب اپنے آرام کے وقت مجھ سے ملنا اور بات کرنا پسند نہیں کریں گے، اس لیے اس نے ساتھ لکھ دیا: ﴿وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ ''اور ہاں سائل! تو اسے نہ جھڑکیں۔'' سید صاحب نے جواب میں لکھ بھیجا: ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ ''جب تمھیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ لوٹ جایا کرو۔'' یہی سید صاحب کا مزاج اور جلالی طبیعت تھی۔ جو بات وہ محسوس کرتے اسے بہت واضح انداز میں کہتے تھے۔ وہ بولتے بھی اسی انداز میں تھے۔ ان کے بات کرنے کا انداز بہت شاہانہ تھا۔

سوال مستشرقین کے کام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب میں کہا کرتا ہوں کہ ہم حال مست قوم ہیں، کڑاہی گوشت کھاتے اور لمبی تان کر سوتے ہیں۔ ہمیں اس کی پروا ہی نہیں کہ مغرب میں ہمارے بارے میں کیا لکھا جا رہا ہے۔ میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں: ایک شخص کراچی سے اٹھتا ہے انگلینڈ چلا جاتا ہے، وہاں وہ مرتد ہو جاتا ہے اور عیسائیت اختیار کر لیتا ہے۔ 1995ء میں اس نے ''What Quran Realy Says'' کے نام سے ساڑھے آٹھ سو صفحے کی ایک کتاب لکھی۔ مستشرقین نے آج تک قرآن کے بارے میں جو ہفوات بکیں وہ ساری کی ساری اس نے ایک نئے اسلوب کے ساتھ اپنی اس کتاب میں اکٹھی کر دیں اور ہمارے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ 1998ء میں اس کی The Origins Of Quran کے نام سے دوسری کتاب چھپی۔ 2003ء میں اس کی تیسری کتاب Why Iam not a Muslim? ''میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟'' کے نام سے منظر عام پر آئی۔ جو شخص مرتد ہو جائے اور پھر ایسی کتاب لکھے جس کا موضوع ہو کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟ ایسی کتاب مغرب میں ہاٹ کیک ہو گی اور بہت دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ 2006ء میں اس کی سب سے خطرناک کتاب آئی: The Quest For The Historical Muhammad ''اس اصل محمد عربی ﷺ کی تلاش جو تاریخ میں وجود پذیر ہوئے۔'' اس کتاب کا سنٹرل آئیڈیا یہ ہے کہ سیرت کا سارا لٹریچر ساقط الاعتبار ہے۔ سیرت کے لٹریچر میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو لکھا گیا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ محض عقیدت کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ پھر وہ اپیل کرتا ہے کہ ہمیں سیرت میں بیان کردہ جملہ واقعات کا از سرنو جائزہ لینا چاہیے۔

اس مرتد اور نام نہاد مصنف کا نام ''ابن وراق'' ہے۔ اگر آج ابن وراق کی کتابیں اردو میں آ جائیں اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس



نے کیا کچھ لکھا ہے تو اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا کہ ہمارے لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے۔ اپنی جائیدادیں تباہ کریں گے اور گاڑیاں جلائیں گے۔ یہ صحیح ردعمل نہیں ہے، اس لیے کہ ابن وراق نے جو کچھ لکھا اس کا جواب علمی انداز میں دینا چاہیے۔ اس پس منظر میں میں ایک بات یہ کہنا چاہوں گا کہ پاکستان میں بہت سی دینی جماعتیں ہیں اور بڑے بڑے دینی مدارس ہیں مگر کبھی کسی نے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش نہیں کہ مغرب میں اسلام کے بارے میں کیا کہا جا رہا اور کیا چھپ رہا ہے۔ پاکستان کی دینی جماعتوں کے پاس بڑے وسائل ہیں مگر کسی کو توفیق نہیں کہ مستشرقین کے کام کے بارے میں کوئی ریسرچ سنٹر بنا دیا جائے۔ مغرب میں اس وقت سب سے زیادہ حملے رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی یا قرآن پاک پر ہو رہے ہیں مگر اسلامی دنیا علمی میدان میں جواب دینے کی بجائے خاموش ہے، تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے محقق علماء اور سکالرز ابن وراق کے نام سے بھی واقف نہیں۔ دوسری طرف مجھے یہ بات بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ سرگودہا یونیورسٹی میں پہلا تھیسس ابن وراق پر انگریزی میں کروایا گیا۔ یہ بہت جامع سٹڈی ہے اور سرگودہا یونیورسٹی اسے کتابی شکل میں شائع کر رہی ہے۔

سوال ڈاکٹر صاحب! آپ نے استشراق پر بہت کام کیا ہے، یہ فرمائیں کہ اس وقت مغرب رسول ﷺ اور قرآنِ کریم پر جو پے در پے حملے کر رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ وہ ذات گرامی ہیں جن پر ساری امت جمع ہے۔ مسلمان کسی بھی رنگ کے ہوں آنحضرت ﷺ پر فدا ہونے کو سب تیار ہیں۔ میں کوئی مبالغہ نہیں کروں گا کہ اگر میں یہاں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا ایک جملہ دہراؤں۔ وہ کہا کرتے تھے: دنیا کے سارے مسلمان ایک جماعت اور محمد ﷺ ان کے قائد ہیں۔

They are one party and they have one leader: Hazrat Muhammad (P.B.U.H)

یہ بلاسبب نہیں، سیلاب بنگلہ دیش میں آتا ہے نبضیں یہاں ڈوبنے لگتی ہیں۔ پاکستان میں اندھیرے ہیں تو برطانیہ میں بیٹھے مسلمانوں کی آنکھوں کے آگے بھی اندھیرے چھا جاتے ہیں۔ پوری دنیا کے مسلمان ایک نظریاتی جماعت ہیں اور ان کا ایک ہی World View ہے۔ آنجناب ﷺ کی ذات ہمارے لیے اسوہ، نمونہ اور ماڈل ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی پر سب مسلمان جمع ہیں۔ یہی مقام قرآنِ پاک کو حاصل ہے اور اس پر بھی سارے مسلمان جمع ہیں۔ آرتھر جیفری ایک بہت بڑا مستشرق ہے۔ وہ 45 سال قرآن کریم میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے 1946ء میں یروشلم میں ایک لیکچر دیا۔ اس کا وہ لیکچر 1970ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا جس کا نام ہے: Quran As a Scripture وہ اپنے لیکچر کا آغاز ان الفاظ سے کرتا ہے:

''یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائیت انجیل مقدس کے بغیر بھی اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے لیکن اسلام قرآن کے بغیر زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا۔'' سو مغرب جانتا ہے کہ ملت اسلامیہ کی بنیاد و مرکز اور محور نبی ﷺ کی ذات گرامی اور قرآن پاک ہے۔ اس لیے مغرب دونوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہے۔

سوال نصف صدی کے طالب علم اور آج کے طالب علم میں آپ کیا فرق پاتے ہیں؟

جواب آج کا طالب علم زیادہ بیدار مغز ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم اور ہمارے ارباب اختیار ایسی پالیسیاں اور ایسا نصاب نہیں بنا سکے جس سے ہمارا طالب علم سچا مسلمان اور محبّ وطن پاکستانی بن سکے۔ آج کمپیوٹر سائنسز، ٹیکنالوجیز اور طبعی علوم کے حصول کے بہت آسان ذرائع موجود ہیں البتہ تعلیمی اداروں میں اچھی تربیت کا فقدان ہے۔ بدقسمتی سے والدین بھی بچوں کی تربیت کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہے۔ وہ اپنے بچے کو ایک ایسی مشین بنانا چاہتے ہیں جو ان کے لیے بہت زیادہ پیسے کمائے۔ اگر بچہ FSC کی ٹیوشن پڑھنے نہ جائے تو اس پر ضرور اسے اپنے والدین سے جھاڑ پڑتی ہے لیکن اگر وہ نماز نہ پڑھے اور سچ نہ بولے تو اسے کچھ نہیں کہا جاتا۔ خال خال اچھی مثالیں موجود ہیں لیکن ہمارے معاشرے کا مجموعی رویہ یہی ہے۔ 50 سال پہلے اس طرح دولت کی ہوس نہیں تھی، اخلاقی قدروں کا فقدان نہیں



تھا اور والدین بچوں کی اخلاقی تربیت سے اس طرح صرف نظر نہیں کرتے تھے۔

سوال آپ نے عربی میں کون کون سے ڈپلومے اور کورس کیے ہیں؟

جواب ایک ڈپلومہ میں نے عجمیوں کو عربی پڑھانے کا حاصل کیا۔ اس کے علاوہ اپنی مزید تربیت کے لیے الازہر یونیورسٹی میں تقریباً تین ماہ رہا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ پی ایچ ڈی میں نے دو جگہ سے کی۔ جامعہ ام القریٰ سے عربی لسانیات میں، وہاں ہمارے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے: ''حسن محمد باجودۃ'' اللہ ان کو لمبی زندگی دے۔ یہ بہت بڑے مفسر اور لغت دان ہیں۔ انھوں نے میری عربی کی کتاب کا پیش لفظ بھی لکھا تھا۔ ان سے میں بہت متاثر ہوں۔ عربی لسانیات میں میرا بنیادی کام یہ تھا کہ ایسے بہت سے الفاظ جنھیں ہم نادانستگی میں ایک دوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ باہم مترادف نہیں ہوتے۔ قرآنی استعمالات کی روشنی میں ایک ہزار یونٹ اکٹھے کر کے ان کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا۔ یہ اب ایک Reference Work بن گیا ہے اور دارالسلام کے زیر اہتمام اس کی طباعت ہو رہی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے ReferenceWork ہوگا جو اسلامی علوم میں تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے کام کی وضاحت ایک مثال سے کرنا چاہوں گا۔ عربی میں ایک لفظ ہے ''ریب'' جب آپ ڈکشنری دیکھیں گے تو ریب کا ترجمہ لکھا ہو گا: ''شک'' اور اسی طرح جب آپ لفظ ''شک'' کو ڈکشنری میں دیکھیں گے تو اس کا م معنی لکھا ہو گا: ریب۔ شک کا مطلب ہوتا ہے: جوازالطرفین، مثلاً: کوئی یہ کہے: ''مجھے لگتا ہے آج بارش نہ ہو جائے۔'' یہ شک ہے کہ کہیں بارش نہ ہو جائے، جبکہ ریب ایسا شک ہے جس میں کسی دیانت کو محل نظر بنایا جائے، مثلاً: کوئی یہ کہے ''مجھے لگتا ہے اس نے مجھ سے جو پانچ لاکھ روپیہ قرض لیا تھا واپس نہیں کرے گا۔'' یہ ریب ہے، یعنی ریب کا لفظ ایسے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی کی صداقت اور امانت کو پرکھا جائے۔ تو لاریب فیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کوئی جھول، بددیانتی، جھوٹ اور من گھڑت بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جب زبان دانی کی چاشنی نہ رہے تو پھر ایک صحیح لفظ کو اس کی جگہ استعمال کرنے کا ذوق بھی جاتا رہتا ہے۔ میرے عربی کے مقالہ میں اس ذوق کو اجاگر کیا گیا ہے۔

سوال ایک رائے یہ ہے کہ پاکستان میں قومی زبان عربی ہونی چاہیے تھی؟

جواب بات یوں ہے کہ میں اس وقت آپ سے اردو میں گفتگو کرتے ہوئے کم وبیش 60 فیصد عربی کے الفاظ استعمال کر رہا ہوں۔ جتنی میں نے آپ سے گفتگو کی ہے یہ سب میں عربی میں کروں اور وہ الفاظ استعمال کروں جو عربی اور اردو میں مشترک ہیں تو آپ کو میری ساری گفتگو کی سمجھ آ جائے گی۔ بے شک آپ عربی نہ بھی جانتے ہوں، عربی میں کہا جاتا ہے: «اللغة الأردية وليدة العربية» کہ اردو زبان عربی زبان کی نوزائدہ بیٹیہے، اردو زبان پر سب سے زیادہ اثر عربی زبان کا ہے، جہاں تک پاکستان میں عربی کے بحیثیت قومی زبان ہونے کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہ قدم اٹھا لیا جاتا تو بہتر تھا۔ کاش کہ ایسا ہو جاتا! اب پاکستان میں ''عربی بحیثیت قومی زبان'' کی بات کرنا بے وقت کی راگنی ہے۔ پاکستان کی تمام اکائیوں کے درمیان اردو زبان وحدت کی کڑی ہے۔ کوئی کشمیری، کوئی پٹھان، کوئی پنجابی اور کوئی بلوچی ہے سب اُردو سمجھتے ہیں۔ ہماری وحدت کی رمز اور علامت اردو زبان ہے۔ بد قسمتی سے ہماری وحدت کی علامت اردو بھی اب اپنے گھر میں اجنبی بنتی جا رہی ہے۔ یہاں وزیر اعظم اس کو بنایا جاتا ہے جو خوبصورت انگریزی بولنے والا ہو۔

سوال پاکستان میں عربی کو اس کا صحیح مقام نہ ملنے کی وجہ سے کیا نقصانات ہو رہے ہیں؟

جواب آپ نے آج تک شکسپئر کا کوئی ایسا ماہر نہیں دیکھا ہو گا جو یہ کہے کہ میں نے شیکسپئر کی تحریروں کا صرف اردو ترجمہ پڑھا ہے۔ مجھے انگریزی نہیں آتی اس کے باوجود میں شکسپئر کا ماہر ہوں جبکہ آپ کو بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جو قرآن صحیح پڑھ نہیں سکتے اور آنجناب ﷺ کی زبان کی ابجد سے بھی واقف نہیں مگر یہ اسلام کے ماہرین اور اسلام پر اتھارٹی بنے بیٹھے ہیں۔ یہ ہے عربی سے نا آشنائی کا نقصان۔

اس کے علاوہ بھی عربی زبان وادب سے



ناآشنائی کے بہت سے نقصانات ہیں جن کے ذکر کے لیے کئی صفحات درکار ہیں۔ صرف ایک بات عرض کرتا ہوں۔ کہ عربی ادب دنیا کا قدیم ترین اور سب سے جامع ادب ہے، فرانسیسی یا دیگر لٹریچر کی باری عربی ادب کے بعد آتی ہے۔ دنیا کے اعلیٰ ترین ادب سے نا آشنائی یقیناً ایک نقصانِ عظیم ہے۔

سوال پاکستانی جامعات کے عربی معیار کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب اب نسبتاً بہتر ہے۔ قیامِ پاکستان سے لے کر اب سے 20,15 سال تک معیار اچھا نہیں تھا۔ ہم نے ایسے ایسے پروفیسر آف عریبک دیکھے جو عربی میں ڈھنگ سے اپنا تعارف نہیں کروا سکتے تھے۔ اس کے بعد جب عربوں سے ہمارا تعاون بڑھا اور سعودیہ سے لوگ پڑھ کر آنے لگے تو ہماری جامعات میں عربی کا معیار بھی بہتر ہونے لگا۔ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی ممالک میں سے کسی نے بھی عجمی ممالک میں عربی کی ترویج کے لیے وہ کوشش نہیں کی جو ایران فارسی کی ترویج کے لیے کر رہا ہے۔ اس کے باوجود یہاں سے بہت سے لوگ سکالرشپ پر سعودیہ جاتے ہیں اور وہاں سے پڑھ کر آتے ہیں۔ اب یہاں ایسے عربی دانوں کی ایک کھیپ ہے جنھوں نے عرب اساتذہ سے عربی پڑھی ہے۔

سوال سعودی عرب میں ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا کیا معیار ہے؟

جواب دراسات اسلامیہ اور عربی میں وہاں کا نظام تعلیم بہت معیاری ہے۔ باقیوں کے بارے میں رائے دینے سے قاصر ہوں کیونکہ نیچرل سائنسز کے بارے میں میں نے ان کا کوئی جائزہ نہیں لیا۔

سوال پاکستان میں مروج دینی نظام تعلیم کے کن پہلوؤں میں اصلاح کی ضرورت ہے؟

جواب محترم! یہ بہت اہم سوال ہے۔ سلیبس سازی ایک On going عمل ہوتا ہے۔ یہ کبھی جامد نہیں ہوتا کہ ایک دفعہ بن گیا تو پھر اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔ بہر کیف یہ نہایت اہم موضوع ہے جو الگ نشست کا متقاضی ہے۔ اختصار کے ساتھ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر نے حضرت نظام الدین سیہالوی کو فرنگی محل دے دیا کہ آپ یہاں اپنا مدرسہ بنائیں۔ فرنگی محل مدرسہ کا سلیبس میرے پاس موجود ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ نے جامعہ رحیمیہ کے سلیبس میں اصلاح کی بہت خوبصورت کوشش کی۔ اس دور کے درس نظامی کے سلیبس میں الجبرا، جیومیٹری، جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ اور طب وغیرہ بھی ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔ ابن سینا کی طب پر مشہور عالم کتاب ''القانون'' ہے۔ اس کتاب کا ملخص ''وجیز القانون'' کے نام خود ابن سینا ہی نے تیار کیا تھا۔ یہ ملخص ان عربی مدارس کے نصاب کا حصہ تھا۔ یہ نصاب اس وقت کی ضرورتوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھا۔ آج کا دینی مدارس کا نصاب کس حد تک موجودہ زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پاکستان میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مرتب کردہ نصاب ہی جاری رہتا تو پھر بھی صورت حال بہت بہتر ہوتی۔ اب پاکستان کے دینی مدارس میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے وہ قطعی ناکافی ہے۔ اگر آج کے معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر عصری علوم دینی مدارس کے نصاب میں شامل نہ کیے گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے دینی مدارس کے طلبہ اکیسویں صدی کی بجائے سولہویں صدی میں شمار ہوں گے۔ میرا مقصد علماء کی تنقیص مراد نہیں بلکہ حقائق کا ادراک ہے۔

سوال ڈاکٹر صاحب! آپ جن مدارس اور ان کے نصاب کی بات کر رہے ہیں آپ خود بھی تو اسی نصاب کو پڑھ کر اس مقام تک پہنچے ہیں؟

جواب مولانا سید ابو الحسن ندوی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی یہ سب بہت بڑے بڑے نام ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا یہ سب ہستیاں کسی نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کے نتیجہ میں اعلیٰ مقام تک پہنچی تھیں بلکہ یہ سب ان کا اپنا کمال اور ذاتی مطالعہ تھا۔ ذاتی کمال اور ذاتی مطالعہ کے نتیجے میں چند افراد کا اعلیٰ مقام حاصل کرنا اور بات ہے کسی نصاب و نظام تعلیم کے نتیجہ میں پڑھ کر مقام حاصل کرنا دوسری بات ہے۔ سو ہمیں ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرنا چاہیے کہ اس نظام تعلیم سے جو بھی نکلے وہ باصلاحیت ہو۔

سوال پاکستان کا موازنہ اگر دنیا کے دیگر ممالک سے کیا جائے تو آپ علم کے اعتبار سے

پاکستان کو کہاں کھڑا پاتے ہیں؟

جواب ہم الحمد للہ بہت پیچھے نہیں ہیں۔ انجینئرنگ، سائنس اور کمپیوٹر میں ہمارا نوجوان بہت باصلاحیت ہے۔ ہمارے افراد جب برطانیہ اور امریکہ میں ہوتے ہیں تو ان سے پیچھے نہیں ہوتے۔ ہمارا المیہ صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس ڈھنگ کا تعلیمی نظام نہیں ہے اور کام کرنے والے کی توقیر نہیں ہے۔

سوال یہ فرمائیں کہ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کو مضبوط کرنے میں علم کا کیا کردار ہے؟

جواب یاد رکھیں علم انسان کو شرف انسانیت بخشتا ہے اور ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کو مضبوط و مستحکم بھی کرتا ہے۔ لوگوں کے پاس علم ہوگا تو ان پر ان کا قومی تشخص واضح ہوگا کہ ہم دیگر ادیان اور اقوام عالم سے کس طرح مختلف ہیں۔ علم ہوگا تو پتا چلے گا کہ ہندو، یہودی، عیسائی اور مسلمان میں کیا فرق ہے۔ جب مجھ پر سیکولر نظام، ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مسلم دشمنی آشکارا ہو گی تو مجھے پاکستان کی اہمیت سمجھ میں آئے گی۔

سوال پاکستان کے نظام تعلیم کی اصلاح کے لیے آپ کی کیا تجاویز ہیں؟

جواب مانیٹرنگ سسٹم ٹھیک کیا جائے۔ اس لیے کہ سکولوں اور کالجوں میں اساتذہ کلاسیں نہیں لیتے سرکاری تعلیمی ادارے بے توقیر ہیں۔ ماسوائے چند ایک کے باقی سب کی یہی حالت ہے۔ پرنسپل کسی سے نہیں پوچھ سکتا اس لیے کہ ہر استاد اور پروفیسر کے پیچھے ایک ایم پی اے

(باقی صفحہ آخر پر)



دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام



Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ فروری کے درست جوابات

① یومِ یکجہتی کشمیر 5 فروری کو منایا جاتا ہے۔
② کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اسی لیے اسے پاکستان کی ''شہ رگ'' کہا جاتا ہے۔
③ ''ویلنٹائن ڈے'' بے حیائی پر مبنی تہوار ہے مسلمانوں کو نہیں منانا چاہیے۔
④ سب سے پہلے اپنی اور گھر والوں کی اصلاح اور پھر معاشرے سے بے حیائی کے خاتمے کے لیے کوئی بھی اچھا اقدام۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

خلیل الرحمان بلوچ، اخت عبدالوحید سلفی، (لاہور)، عبدالحسیب، ارشد علی قادری (اوکاڑہ)، عبید الرحمان ساجد (بہاولنگر)، حبیب الرحمان (پشاور)، بنت اسحاق (جھنگ)، محمد شعیب (خانیوال)، فریحہ سرور (حافظ آباد)، وقاص ہارون (قصور)، ذوالقرنین (گوجرانوالہ)، عمر فاروق، قمر ضیاء (ننکانہ)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① اس دور کی عافیہ نے بھی پہلے دور کی آسیہ کی مثال کو زندہ کیا۔
② مسلمانوں نے برصغیر پر کم از کم ایک ہزار سال تک کامیاب حکومت کی۔
③ کیا ہم کبھی اپنے خدمت گزاروں کے گھر ان کی تیمارداری کے لیے گئے ہیں؟
④ حرام مال کی زد میں انسان کا عقیدہ ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① وہ کون سے کم عمر صحابی تھے جن کو نبی ﷺ نے ایک جنگی لشکر کا امیر بنایا تھا؟
② حدیث مکمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں:.....''
③ ''قراردادِ پاکستان'' کب اور کہاں پیش کی گئی؟
④ ''قراردادِ مقاصد'' کب پیش کی گئی؟

رزقِ حلال ہی کیوں؟



خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام

خطبہ مسنونہ کے بعد: ﴿ يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ﴾ (المؤمنون 51:23) وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ: «رَجُلٌ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ وَيَقُولُ: يَا رَبِّ، يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ»

(صحیح مسلم:1015)

قابلِ قدر علمائے کرام، حاضرین مجلس! اس نشست کے لیے عنوانِ گفتگو آپ نے سن لیا ہے کہ اسلام میں آخر رزقِ حلال ہی کیوں؟ اللہ رب العزت جو توفیق دے گا ان شاء اللہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

رزقِ حرام کا پہلا حملہ

اسلام میں سب سے پہلا مسئلہ اعتقادی ہے۔ سب سے زیادہ عقیدے کی اہمیت ہے۔ اور رزق حلال سے دور ہونے والا یا رزقِ حلال پر قناعت نہ کرنے والا اور رزقِ حرام کا متلاشی ضعفِ عقیدہ اور ضعفِ ایمان کا مریض ہے کیونکہ حرام ذرائع وہی اختیار کرتا ہے جس کو اپنے رب پر توکل نہ ہو۔ یہ توکل کے منافی ہے کہ حلال کو چھوڑ کر حرام ذرائع کو تلاش کیا جائے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «ذَاكَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا» (صحیح مسلم: 34) جو شخص تین چیزوں پر راضی ہو گیا اس نے ایمان کی مٹھاس پا لی۔ جو ایمان کی حلاوت ہے اور جو لذت ہے، اس سے وہ آشنا ہو گیا جو تین چیزوں پر راضی ہو جائے: پہلی چیز یہ کہ اللہ کو رب مان کر راضی ہو جائے۔ یہ رب مان کر راضی ہونا کیا ہے؟ رب ماننے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ہی میرا خالق ہے، اللہ ہی مالک ہے، اللہ ہی رازق ہے، وہی مجھے پالنے والا ہے۔ رب کا معنی پالنے والا، پرورش کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے پالنے والا ہے، وہی روزی دینے والا ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کو رب مانے تو اس پر راضی بھی ہو جائے۔ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس اس نے پالی۔ لیکن یہ وہی کر سکتا ہے، اللہ کو رب مان کر راضی ہونا وہی کر سکتا ہے جو رزقِ حلال



پر اکتفا کرے، چاہے فاقوں کی نوبت آ جائے لیکن حرام ذرائع کی طرف نہ جائے اور رزق حلال کو حاصل کرنا اپنا نصب العین بنا لے۔ یہ اسی کو توفیق ملتی ہے۔ اگر یہ عمل نہیں ہے تو اللہ کو رب ماننا اور راضی ہونا اس قسم کے سارے دعوے لغو ہیں، فضول ہیں۔ اس کی عملی دلیل یہی ہے کہ اللہ کو رب مان کر راضی ہونے والا وہی ہے جو رزق حلال پر اکتفا کرے گا اور جو اس سے تجاوز کرے گا اسے نہ اللہ پر توکل ہے اور نہ وہ اس چیز پر راضی ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔ اور اس نے اپنے رزق کی راہیں اپنے ہاتھ میں تھام لیں۔ اب جو حرام ذرائع ہیں معیشت کے، ان کو وہ اپناتا ہے۔ تو یہ توکل کے بھی منافی ہے اور اس حدیث کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے رزق حرام کا جو پہلا حملہ ہے وہ انسان کے عقیدے پر ہے اور انسان کے ایمان پر ہے۔ اس کی زد میں انسان کا عقیدہ ہے، ورنہ اللہ تو روزی دینے والا ہے: ﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ''زمین پر چلنے والی کوئی بھی مخلوق ہو اس کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔'' (ھود 6:11) «لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا» اگر تمھیں اپنے پروردگار پر کماحقہ توکل ہو، بھروسہ ہو، کما حقہ توکل ہو اور رزق کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ کے بتائے ہوئے راستوں پر تکسّب کی شکل ضرور ہو، اس کے خلاف نہ چلے اور صحیح معنی میں توکل کر لو تو اللہ تمھیں بھی اس طرح روزی دینے پر قادر ہے جس طرح پرندے کو دیتا ہے۔ نہ اس کے پاس ہنر ہے نہ کوئی فن ہے، نہ کوئی سرمایہ کاری ہے، نہ کوئی تجارت ہے لیکن «تَغْدُو خِمَاصًا» صبح اپنے گھونسلے سے نکلتا ہے تو خالی پیٹ ہوتا ہے، «وَتَرُوحُ بِطَانًا» اور شام کو لوٹتا ہے تو پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ (مسند أحمد: 30/1، وجامع الترمذي: 2344) معنی یہ کہ رزق حرام کی زد میں سب سے پہلے انسان کا عقیدہ ہے، بات اصل بنتی ہے مستحکم اور قوی عقیدے سے، عقیدے کا معاملہ کمزور نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ» ''جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔'' (صحيح البخاري: 4203) ایک تو یہ آپ کے سوال کا پہلا جواب ہے کہ رزقِ حلال اس لیے ضروری ہے تاکہ اس بنیاد پر آپ کا عقیدہ مستحکم رہے، آپ کا توکل کمزور نہ ہو اور ربوبیت پر ایمان اور اللہ کی ربوبیت پر رضا، اس میں کوئی خلل اور اضطراب نہ رہے۔ انسان اپنے آپ کو سمجھائے کہ جس پروردگار کو رب مانا ہے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ «يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ» اے میرے بندو! اگر تمھارے پچھلے اور تمھارے اگلے یعنی جو پیدا ہو کے مر چکے ہیں وہ زندہ ہو کر دوبارہ آ جائیں اور جو موجود ہیں وہ بھی ہوں اور جنھوں نے قیامت تک پیدا ہونا ہے وہ آج ہی پیدا ہو لیں اور اسی طرح جن بھی اور ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور جمع ہو کر بیک آواز ایک ہی وقت میں سب مجھ سے مانگیں جو دل میں آئے۔ حکومتیں مانگیں، بادشاہتیں مانگیں، دولتوں کے انبار مانگیں «فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ» اور پھر میں اسی لمحے آن واحد میں سب کو دے دوں، جو مانگ رہے ہیں دے دوں، یہ سب کچھ دینے کے بعد میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جیسے ایک سوئی سمندر میں ڈبو کر آپ نکال لیں تو وہ سوئی سمندر کا کتنا پانی کم کرے گی؟ وہ سوئی تھوڑا سا پانی کم کر دے گی لیکن میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی۔ سب کو دینے کے بعد۔ کیا یہ حدیث ہم سے یہ تقاضا نہیں کرتی کہ اپنے پروردگار پر پختہ توکل کریں، اللہ کے بندو! یہ پختہ توکل کامیابی کی اساس ہے جس کی بنیاد رزق حلال ہے۔ یہ توکل اور ربوبیت پر ایمان اور توحید ربوبیت کا استحکام یہ مقاصد حلال پر قائم ہے، اور اگر توکل مستحکم ہو گا تو اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کی لغزشوں کو معاف کر کے جنت میں داخل کر دے گا۔ بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ بلا حساب داخل کر سکتا ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث اس کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں میدان محشر دیکھا۔ انبیاء اپنی امتوں کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور میں نے اپنی امت بھی دیکھی۔ میری امت کھڑی ہے اور میں نے اپنی امت میں ستر ہزار افراد ایسے دیکھے جنھوں نے بلا حساب جنت میں داخل ہونا ہے۔ یہ بخاری کی حدیث کے لفظ



ہیں ستر ہزار کے۔ اور مسند احمد کی روایت میں ہے: «فَاسْتَزَدْتُ فَزَادَنِي» میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یا اللہ! اس تعداد کو بڑھا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی اور فرمایا: «مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعِينَ أَلْفًا» یہ ستر ہزار ہیں ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور بھی دیتا ہوں جن کا کوئی حساب نہیں لوں گا، جنت میں داخل کر دوں گا۔ (مسند أحمد: 359/2) نبی کریم ﷺ یہ بیان فرما کے چلے گئے اور صحابہ جنت کے حریص، جنت کے مطمنی، جنت کی طلب میں مخلص، باتیں کرنے لگے کہ یہ کون ہو سکتے ہیں؟ کسی نے کہا کہ شاید یہ ہم ہوں، ہم اللہ کے پیغمبر کے صحابی ہیں، اللہ کے پیغمبر کی مدد کی، اسلام کی پہلی جماعت، کسی نے کہا کہ نہیں ہم میں سے اکثر پہلے مشرک تھے بعد میں مسلمان ہوئے، شاید یہ وہ ہوں جو پیدا بھی اسلام کی حالت میں ہوں اور مریں بھی اسلام کی حالت میں۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی، رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا اور پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ کوئی مخصوص طبقہ، کوئی مخصوص گروہ نہیں ہے۔ کوئی مخصوص ملت نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں چار خوبیاں جمع ہوں گی۔ «هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ» یہ استرقاء نہیں کرتے، اکتواء نہیں کرتے، تطیّر نہیں کرتے، ان تمام چیزوں کا تعلق جو ہے توکل کے ساتھ ہے۔ استرقاء کا معنی کوئی تکلیف آ جائے، کوئی بیماری آ جائے تو یہ نہیں کہ بھاگو دم کروانے کے لیے فلاں حضرت کے پاس فلاں درگاہ پر، یہ بات توکل کے منافی ہے۔ انسان اپنی بیماریوں پر اگر کچھ صبر کر لے تو اسے کیا معلوم کہ اللہ کے ہاں کیا درجات اولیٰ ہیں۔ اور پھر استرقاء جیسا مرض کہ فوراً جاؤ کسی دم کرنے والے کے پاس۔ یہ گھاٹا کیوں ہو رہا؟ یہ بیماری کیوں آ گئی؟ وہ دم کرے تو صحت حاصل ہو۔ کیونکہ شریعت میں استرقاء کی مخالفت یا استرقاء کی عدم حوصلہ افزائی کی علت یہ ہے کہ جب تک اس درگاہ پر نہیں پہنچو گے اس وقت تک تمھارے دل میں اللہ کا خیال نہیں ہوگا ''حضرت جی'' کا خیال ہوگا۔ اور یہ بات توکل کے منافی ہے: «وَلَا يَتَطَيَّرُونَ» ''تطیّر نہیں کرتے۔'' تطیّر ''طیر'' سے ہے، معنی پرندہ، پرندہ اڑانا۔ جاہلیت کی ایک رسم تھی، اپنے گھروں سے نکلتے، کسی مشن پر روانہ ہوتے تو جو پہلا پرندہ راستے میں دکھائی دیتا اسے اڑاتے اور دیکھتے کہ یہ کس طرف گیا ہے۔ اگر دائیں طرف گیا ہے تو سفر مبارک ہے۔ سفر جاری رکھتے اور اگر بائیں جانب گیا ہے تو سمجھتے کہ یہ سفر منحوس ہے وہیں سے لوٹ جاتے۔ خیر و شر پرندوں میں تلاش کر رہے ہیں، پتھر میں تلاش کر رہے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا کہ جس جماعت نے جنت میں بلا حساب جانا ہے ان کے ایسے مستحکم عقیدے ہیں، ان کا توکل ایسا مثالی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ خیر و شر اللہ کی طرف ہے، اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ اکتواء نہیں کرتے۔ یہ کیّ سے ماخوذ ہے اور کیّ کا معنی یہ ہے کہ آگ سے جسم پر داغ لگوانا۔ یہ طریقہ علاج ہے اور جائز ہے لیکن بظاہر ایک مکروہ شکل ہے، یعنی وہ لوگ مرض تو جھیل لیتے ہیں لیکن اس قسم کا طریقہ علاج اختیار نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر صحیح شرعی شعور ہو انسان کے دل میں تو وہ سمجھتا ہے کہ مرض پر صبر جو ہے یہ درجات اولیٰ کا باعث ہے۔ اللہ کے پیغمبر کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے لیے جنت میں بڑے اونچے درجے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن ان کے اعمال جو ہیں ان درجات سے قاصر ہیں، درجات اونچے ہیں اعمال قاصر ہیں۔ اتنی نمازیں نہیں ہیں، روزے نہیں ہیں، اتنے نوافل نہیں ہیں۔ اعمال کم ہیں درجے اونچے ہیں۔ اللہ رب العزت اپنے ان بندوں کو ان درجات تک پہنچانے کے لیے انھیں کسی تکلیف میں اور کسی مرض میں مبتلا کر دیتا ہے، اس مرض پر وہ اتنا صبر کرتے ہیں، اتنا صبر کرتے ہیں کہ اس درجے تک پہنچ جاتے ہیں جو اللہ نے تیار کیا ہوا ہے۔ (صحيح ابن حبان: 7/ 169، والسلسلة الصحيحة: 173/4) اور فرمایا کہ «وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ» جنھوں نے بلا حساب جنت میں داخل ہونا ہے وہ اپنے رب پر پورا بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔ (صحيح البخاري:5705) تو یہ توکل توحید کا ایک اہم ترین باب ہے۔ بلکہ جامع المسائل ہے۔ توحید کی بہت سی اقسام جو ہیں وہ توکل کے تحت آتی ہیں۔ رزق حلال کی جو پہلی بنیاد ہے وہ استحکامِ عقیدہ ہے۔ ایک انسان اگر حلال ذرائع کا متلاشی ہے اور وہ میسر نہیں آتے بلکہ صبر کرتا ہے، حرام کی طرف نہیں



جاتا بلکہ صبر کرتا ہے تو اس کا معنی یہ کہ اس کو توحید ربوبیت پر پورا یقین ہے اور اللہ پر توکل کرتا ہے۔ فاقے پر فاقہ برداشت کرتا ہے اور کوئی پروا نہیں کرتا بلکہ اس زندگی کو لذیز سمجھتا ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا» جو اللہ کو رب مان کر راضی ہو جائے۔ ایسا راضی ہو کہ فاقے ہوں تو پریشان ہونے کی بجائے خوشی ہو۔ یہ لذت کی زندگی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تین تین چاند گزر جاتے اور آپ کے گھر میں چولھا نہیں جلتا تھا کیونکہ اللہ کے پیغمبر توحید کا پہاڑ تھے۔ اور یہ توحید ربوبیت کا اہم ترین باب ہے۔ لہٰذا رزق حلال کی جو پہلی اساس ہے، وہ عقیدہ ہے۔ حرام مال کی زد میں انسان کا عقیدہ ہے۔ کم ازکم دو چیزیں اس پر مسلط اور قائم ہیں، دو حکم قائم ہیں: ایک ضعف توحید ربوبیت اور دوسرا ضعف توکل۔

رزقِ حرام کا دوسرا حملہ

دوسرا حملہ جو ہے رزق حرام کا وہ بھی انسان کے ایمان پر ہے اور وہ نفاق کی زد میں ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ» ''منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا اور اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا اور جب وعدہ کرے گا تو وفا نہیں کرے گا۔'' (صحیح البخاري: 2682) اس کا بڑا وسیع مفہوم ہے لیکن اس کے تانے بانے جو ہیں رزق حلال کے ساتھ جا کر ملتے ہیں۔ خیانت رزقِ حرام کی قبیح ترین قسم ہے۔ آگے ہم اس پر وضاحت سے بات کریں گے۔ رزق حرام کی قبیح ترین قسم جو ہے وہ خیانت ہے، وہ انفرادی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، اجتماعی شکل میں بھی ہو سکتی ہے لیکن جیسی بھی خیانت ہو یہ نفاق کی علامت ہے۔ رزقِ حرام اس پہلو سے بھی انتہائی خطرناک ہے کہ وہ انسان نفاق کی زد میں ہے جو حرام ذرائع کا متلاشی ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النسآء 4:145) منافقین کا انجام کیا ہے۔ جہنم میں سب سے نیچے ہوں گے، سب سے نیچے۔ اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جہنم کی گہرائی اللہ کے پیغمبر نے بیان فرمائی۔ جب صحابہ نے ایک آواز سنی تو اللہ کے پیغمبر نے پوچھا: «هَلْ تَدْرُوْنَ مَا هٰذَا الصَّوت» ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ آواز کہاں سے آئی؟'' صحابہ نے کہا: «اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ» رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اَلْقَى اللّٰهُ حَجَراً فِي نَارِ جَهَنَّمَ» ''اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ میں ایک پتھر ڈالا تھا۔'' «لِيَعْلَمَ قَعْرَهَا» ''تاکہ جہنم کی گہرائی کا اندازا کر سکے۔'' اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن آپ کو بتانے کے لیے کہ جہنم کتنی گہری ہے۔ اور کب ڈالا؟ «قَبْلَ سَبْعِيْنَ سَنَةً» ''آج سے ستر سال پہلے۔'' آج وہ ستر سال کے بعد جہنم کی تہہ میں جا کر گرا ہے اور یہ اس کے گرنے کی آواز ہے۔ (صحیح مسلم: 2844) اس تہہ میں منافقین کا طبقہ ہو گا۔ یہ رزق حرام کی شاخیں کہاں جا کر ملیں۔ تو انسان کا عقیدہ اس سے مضطرب ہوتا ہے۔ وہ انسان نفاق کی زد میں ہے، وہ حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں پیدا کیا ہے، یہ حیات و موت کا نظام جو ہے یہ ایک آزمائش ہے کہ کون عمل کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ معنی یہ عمل کرنا ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾ ''وہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ زبردست ہے، خوب بخشنے والا۔'' (الملك 67:2) ، ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ ''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔'' (الذاریات 56:51) عمل کے بغیر کچھ نہیں۔ «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» ''جس کی عمل کی سواری کمزور ہو گئی قیامت کے دن دنیا کا اور کوئی تعلق اس کے کام نہیں آئے گا۔'' (صحیح مسلم: 2699) نہ مال نہ دولت نہ منصب نہ کوئی رشتہ۔ کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ اگر عملی طور پر کمزور ہے۔ عمل کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں۔ «يَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ لَا اُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا» ''اے محمد کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے خود بچانا۔'' «اعْمَلِي» ''عمل کرو۔'' میں تمھارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ (صحیح البخاري: 4771) (**جاری ہے**)

جنات سے استعانت

حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام



سابقہ ادوار کی طرح موجودہ دور میں بھی جنات کے حوالے سے انسانوں میں مختلف قسم کے نظریات اور توہمات پائے جاتے ہیں۔ سرکش قسم کے انسان جنوں کو اپنے تابع کر کے ان سے اپنی مرضی کے کام کروانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ اپنے آپ کو ''بزرگ'' باور کرا کے جنات کے ذریعے سے لوگوں کے احوال معلوم کر کے انھیں بتلاتے ہیں۔ قابل صد افسوس بات یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے جعل سازوں کو ''پہنچی ہوئی ہستی'' سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا کہ عوام الناس کے ہاں ''ولایت'' کا پیمانہ ہی یہ بن چکا ہے کہ جو شخص جنوں کے ذریعے دور کسی علاقے میں موجود کسی شخص کے احوال سے باخبر کر دے تو اسے ''ولی اللہ'' تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ حقیقت میں وہ شخص جنات کو اپنے تابع رکھنے کی خاطر کفر و شرک کی غلاظتوں میں ڈوب چکا ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں یہ بہت سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔ ''عامل ٹولہ'' پریشان حال لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے مال اور عزت و آبرو کا دشمن بنا ہوا ہے۔ سرکش جنوں کے ذریعے وہ لوگوں کی پریشانیاں معلوم کر کے ان کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اس وجہ سے لوگوں کا یقین ان پر پختہ ہو جاتا ہے۔ جب ایک عام شخص اس باطل اور گمراہ ٹولے کے ''عجوبوں'' سے مطلع ہوتا ہے تو وہ کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات آدمی ان کی تصدیق کرنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔

اس موضوع کی حساسیت کے پیش نظر ہم زیر نظر مضمون میں اس بات کو بیان کریں گے کہ شریعت کی نظر میں انسانوں کا جنات سے مدد لینا کیسا ہے؟

جنات سے استعانت کے حوالے سے علماء میں دو طرح کا موقف پایا جاتا ہے۔ علماء کا ایک گروہ وہ ہے جو کچھ قیود کے ساتھ اس کی اجازت دیتا ہے۔ دوسرا گروہ سرے سے اس کا انکار کرتا ہے۔ ذیل میں ہم بالترتیب فریقین کا موقف اور ان کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

پہلا موقف

پہلے گروہ کا موقف یہ ہے کہ اگر بعض شروط و قیود کے ساتھ کسی کام میں مسلمان جنوں سے مدد لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں خاصی طویل بحث کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جنوں میں سے بعض کے نیک ہونے کے بارے میں دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: مسلم انسانوں کا مسلم جنوں سے مباح امور میں مدد طلب کرنا ایسے ہی ہے جیسا کہ انسانوں کا آپس میں ایک



دوسرے سے مدد طلب کرنا ہے۔
(مجموع الفتاوی:13/87)
بہر حال اس حوالے سے شیخ رحمہ اللہ نے جو طویل بحث کی ہے اس میں دلائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ جب ہم اس بحث کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کا خلاصہ کچھ اس طرح نکلتا ہے: شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے انسانوں کا جنوں سے بعض امور میں مدد طلب کرنے کا جو جواز بیان کیا ہے، وہ دو باتوں سے مشروط ہے۔ اگر ان کو ملحوظ رکھ کر معاونت لی جائے تو درست ہے بصورت دیگر ناجائز اور حرام بلکہ کفر و شرک تصور کیا جائے گا۔ وہ شروط درج ذیل ہیں:
① ''جن'' سے معاونت لینے کے لیے اس تک رسائی حاصل کرنا حرام ذرائع سے نہ ہو۔
② جنوں سے حرام امور میں کسی قسم کی معاونت نہ لی جائے۔
حرام ذرائع سے رسائی حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ''جن'' اس مرد یا عورت کو اپنے سامنے سجدہ کرنے پر یا کفر و شرک کے دیگر امور کرنے پر مجبور کرے۔ یقینی بات ہے کہ یہ معاملہ وہی جن کرے گا جو کافر یا مشرک ہو گا۔ اگر وہ جن مومن اور مسلمان ہو تو اس سے بھی فسق و فجور کا اندیشہ اپنی جگہ قائم ہے، مثلاً: اگر کوئی مرد کسی جن سے معاونت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ''جن'' پہلے اسے کسی شخص کے قتل کرنے پر آمادہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت کسی ''جن'' سے کوئی کام لینا چاہتی ہے تو وہ ''جن'' اس عورت کی بات اس شرط پر ماننے کے لیے تیار ہو کہ وہ عورت اپنا جسم اس کے حوالے کر دے۔

جہاں تک دوسری شرط کا ذکر ہے کہ حرام امور میں جنوں سے معاونت نہ لی جائے، اس کی بھی کئی ایک صورتیں ہیں، مثلاً: کسی ''جن'' سے کسی شخص کا مال چوری کروانا وغیرہ۔

دوسرا موقف

دوسرا موقف یہ ہے کہ ''جن'' چاہے مسلمان ہو یا کافر، اس سے کسی بھی قسم کی معاونت طلب کرنا حرام ہے۔ اس موقف کے قائلین نے بھی قرآن و سنت سے دلائل بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:
① جنوں کا انسانوں سے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ حاصل کرنا قرآن و سنت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ ''اور بے شک انسانوں کے کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ پکڑتے تھے، تو انھوں نے ان کو سرکشی میں بڑھایا۔'' (الجن 72:6)

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ سفر پر جاتے اور کسی وادی میں قیام کرتے تو وہاں بلند آواز سے جنوں کی پناہ طلب کرتے تھے۔ اس وادی کا جو جن سردار ہوتا اس سے اس وادی اور اس رات کے شر سے پناہ طلب کرتے تھے جس رات انھیں وہاں ٹھہرنا ہوتا تھا۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''وہ کہیں گے: تو پاک ہے، تو ہی ان کے ماسوا ہمارا کارساز ہے، بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اکثر لوگ انھی پر ایمان رکھتے تھے۔'' (سبا 34:41)

فرمانِ الٰہی ہے: ''اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا (تو فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں میں سے بہت زیادہ (گمراہ) کیے تھے، اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا، اور ہم اس میعاد کو پہنچے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی۔ اللہ فرمائے گا: آگ ہی تمھارا ٹھکانا ہے، تم اس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ چاہے (تو دوسری بات ہے)۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے۔''
(الانعام 6:128)

قرآن و سنت کی ان نصوص میں یہ استثناء کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ مسلمان جنوں سے معاونت طلب کی جا سکتی ہے۔
② نبی ﷺ کے دور میں بہت سارے ''جن'' مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ بہت ساری نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ان جنوں کے پاس ایمانی اور جسمانی قوت بھی دوسرے جنوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ جو جن مسلمان ہوئے تھے انھوں نے اسلام بھی نبی ﷺ کے دست مبارک پر قبول کیا تھا۔ اس دور میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشکلات کا بھی بہت زیادہ سامنا تھا۔ یہاں تک بھی معاملہ پیش آیا کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو چکا تھا۔ ان سب مشکلات کے



باوجود بھی نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنات سے معاونت طلب نہیں کی جبکہ قرآن ان جنات کے بارے میں یہ بیان کرتا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر نبی ﷺ کے مطیع و فرمانبردار قرار دے دیا تھا۔ اور ان کی طاقت و قوت کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ وہ پلک جھپکنے میں بہت بڑے بڑے کام سرانجام دے دیتے ہیں۔ اگر جنات سے استعانت جائز ہوتی تو نبی ﷺ ان کو صحابہ کرام کے مددگار اور معاون مقرر کر دیتے مگر نبی ﷺ کا کوئی ایسا طرز عمل ہمیں ذخیرہ حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔

لہٰذا جب یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے مسلمان جنوں سے بھی کسی قسم کی کوئی مدد یا تعاون حاصل نہیں کیا تو پھر کسی اور کے لیے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

③ اگر جنات سے استعانت کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ شرک کا دروازہ کھلنے کی بنیاد ہوگی۔ سدذریعہ کے طور پر لازم ہے کہ استعانت کے اس دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ شریعت سے ہمیں بہت ساری مثالیں ملتی ہیں کہ شریعت نے سد ذریعہ کے طور پر بہت سارے امور کو حرام قرار دیا ہے، مثلاً: شریعت نے قبروں پر عمارتیں اور قبے بنانے سے منع کیا ہے، اس لیے کہ یہ اہل قبور کی تعظیم کا سبب ہے جو شرک کا ایک چور دروازہ ہے۔ اسی طرح شریعت نے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جو سود تک پہنچانے والی ہیں۔

جب شریعت نے سد ذریعہ کے طور پر ان ظاہری اسباب سے منع فرمایا ہے تو جنوں سے استعانت سے تو بالاولیٰ اجتناب کیا جانا چاہیے، اس لیے کہ ''جن'' تو ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہے جس کی وجہ سے کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا بہت زیادہ اندیشہ ہے۔

④ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: « لَا يَحِلُّ حُلْوَانُ الْكَاهِنِ» ''کاہن کی کمائی حلال نہیں ہے۔'' (سنن أبي داود: 3484) کاہن کی کمائی کو حلوان اس لیے کہا کہ کاہن ''جنوں'' سے معاونت لے کر بغیر کسی مشقت کے کماتا ہے۔ گویا کہ جو شخص جنوں سے کسی بھی قسم کی معاونت لے کر کمائی کرتا ہے، وہ کمائی بھی حرام شمار ہوگی۔

راجح موقف

اگر دلائل کی رو سے دیکھا جائے تو دوسرا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ ترین دور میں جنات سے استعانت کا پہلو نظر نہیں آتا تو فتنوں کے اس دور میں تو جنات سے استعانت سے بالاولیٰ اجتناب لازم اور ضروری ہے۔ اس پرفتن دور میں تو لوگ طرح طرح کے توہمات کا شکار ہیں۔ اگر کوئی اندھیرے میں اپنا ہی سایہ دیکھ لے تو گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہی سائے کو کوئی ''جن'' یا ''بھوت پری'' سمجھ بیٹھتا ہے۔ اگر رات کے اندھیرے میں ہوا سے بھی کوئی برتن گر جائے تو لوگ اس کو بھی کسی ''جن'' کی شرارت تصور کر بیٹھتے ہیں۔

الغرض! عام لوگوں کے ذہن میں ''جنات'' کا خوف انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ توہمات کے اس دور میں اگر ''مسلمان جنوں'' سے استعانت کو پہلے موقف کے مطابق جائز قرار دے دیا جائے تو گویا یہ لوگوں کے کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہونے کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اس لیے عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے دوسرا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ اکثر علماء اور محدثین کا یہی موقف ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی ''السلسلۃ الصحیحہ'' میں اس حوالے سے بحث کی ہے۔ بحث کے آخر پر علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مشرکین کی گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب ان کا جنات سے استعانت تھا جس طرح کہ قرآن مقدس میں اس بات کی وضاحت ہے۔ ..... اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں قرآن پاک میں یہ حکم دیا ہے: ''اے ایمان والو! تمھاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمھارے دشمن ہیں۔ خبردار ان سے ہوشیار رہنا۔'' (التغابن 14:65) اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تو ایک ظاہری دشمن کے بارے میں ہے، اس کے برعکس اس دشمن سے بچنا تو بالاولیٰ لازمی اور ضروری ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھتے۔'' (الاعراف 27:7، والسلسلة الصحيحة: 2760)

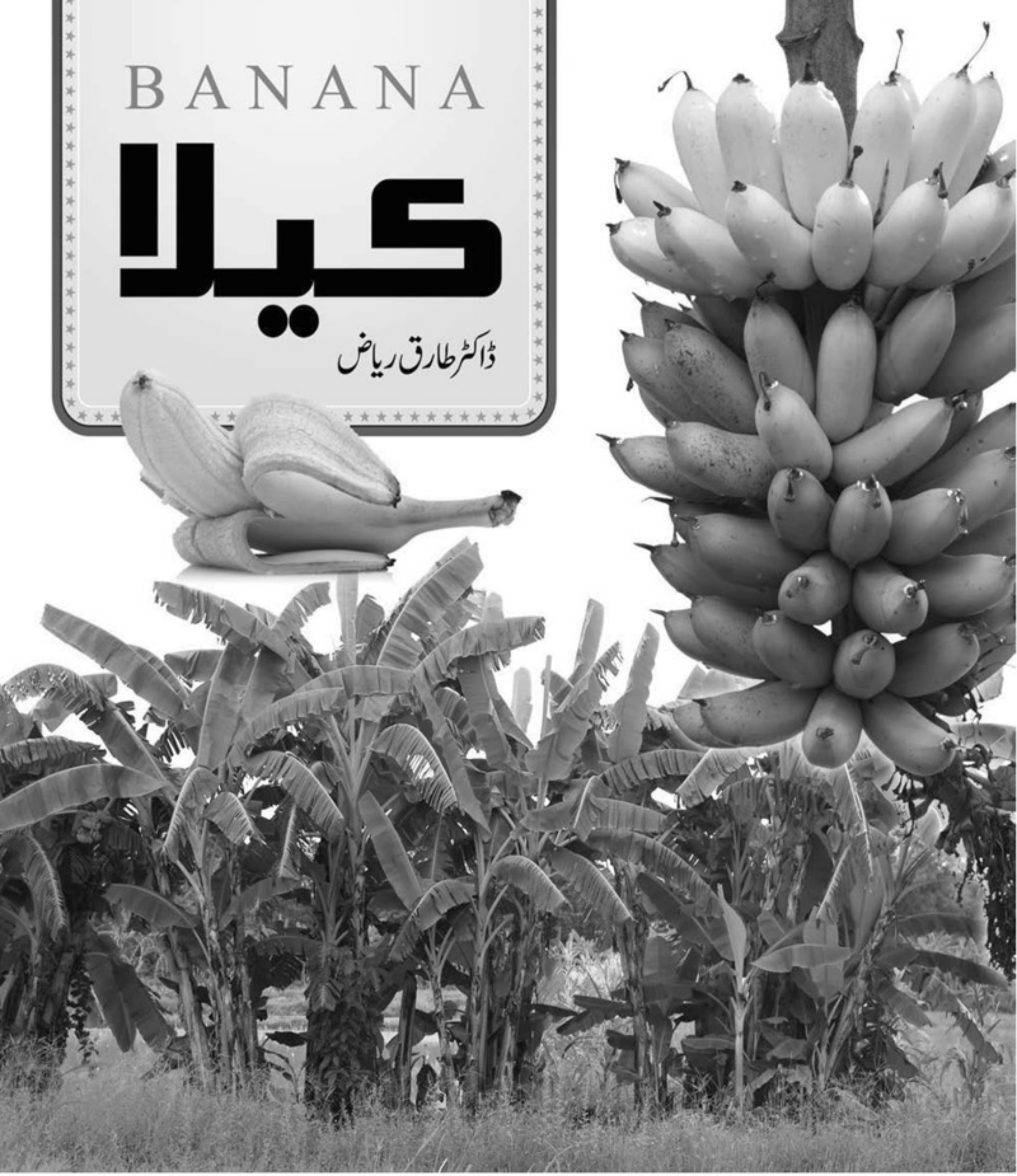
کاہن کے پاس جانے کی جو ممانعت ہے، شیخ ابن باز رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: جادوگروں اور کاہنوں کے پاس جانا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ جنات کو حاضر کرتے اور ان سے معاونت طلب کرتے ہیں۔ اور احادیث کی روشنی میں یہ چیز کفر اور ضلالت کے سوا کچھ نہیں۔

(مجموع فتاوى لا بن باز رحمہ اللہ: 3/274)

BANANA

کیلا

ڈاکٹر طارق ریاض



اللہ رب العزت نے انسانوں اور حیوانوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں پیدا کی ہیں کہ اُن نعمتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ کا کماحقہ شکر ادا کرنا ہماری طاقت سے بالا ہے۔ ان نعمتوں کی طویل فہرست میں میٹھے میٹھے ٹھنڈے کیلے بھی شامل ہیں۔ جنھیں انگریزی میں ”Banana“ کہتے ہیں۔ یہ پھل بھی مالک نے کمال کا بنایا ہے کہ اسے ہر عمر کا شخص بغیر دانتوں کے بھی کھا سکتا ہے۔ سٹارچ اور وٹامنز کا یہ خزانہ



بآسانی چبایا اور نگلا جا سکتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود بھی ہضم ہو جاتا ہے اور دیگر غذا کے ہاضمے میں بھی مدد دیتا ہے۔ اگر یہ کچا ہو تو بطور سبزی پکایا جاتا ہے۔ اس پھل کا پودا، تنا اور پتے بھی طبی اہمیت کے حامل ہیں۔ گویا پروردگار عالم نے ایک گراں قدر سرمایہ ہمیں اس پھل کی صورت میں عطا کر دیا ہے۔ کیلے کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں جنھیں ڈشیں وغیرہ سجانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کیلا یا ''Banana'' درحقیقت ایک قدیم پودا ہے جس کی کاشت صدیوں سے جاری ہے۔ اس کا سائنسی نام ''Musa'' ہے۔ یہ پودا بنیادی طور پر جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن خیال ہے کہ نیو پاپائے گنی میں اس کی باضابطہ کاشت شروع ہوئی ہے۔ افریقی کیلے کا سائنسی نام ''Ensete'' ہے۔ جو ذائقے اور سائز میں ایشیائی کیلے سے مختلف ہے۔ یہ پھل لگ بھگ 107 ممالک میں کاشت کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی مدد سے پھل، فائبر، شراب حاصل ہوتی ہے۔ اور اس پودے کو زیبائشی طور پر بھی کاشت کیا جاتا ہے۔ کیلا ایک گچھے کی مانند لگتا ہے۔ جو نیچے کی جانب لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ عموماً اس گچھے کو لُنگر کہا جاتا ہے۔ کیلے اپنی جسامت اور رنگت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان کا رنگ سفید، پیلا، جامنی اور سرخ بھی ہوتا ہے۔ کیلے کا درخت بغیر لکڑی کے ہوتا ہے۔ اس لیے یہ زیادہ بلند نہیں ہوتا۔ اس کے تنے کا سائز 6 سے 7.6 میٹر تک ہوتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے اس کا تنا دیگر درختوں کی طرح سخت نہیں بلکہ نرم اور سرسبز ہوتا ہے۔ کچھ اقسام پھل دینے کے بعد ختم ہو جاتی ہیں اور مرنے سے پہلے نئی شاخیں بنا جاتی ہیں جو نئے درخت کا روپ دھار لیتی ہیں۔ جبکہ اکثر اقسام کئی برس تک پھل دیتی رہتی ہیں۔ ان کے پتے بھی دراز ہوتے ہیں۔ پتوں کی لمبائی 2.7 میٹر جبکہ چوڑائی 2 فٹ تک ہوتی ہے۔ پھل ایک گچھے کی صورت میں لگتے ہیں جس میں 20 تک کیلے ہوتے ہیں۔ جن کا مجموعی وزن 30 سے 50 کلوگرام ہوسکتا ہے۔ ایک اچھے صحت مند کیلے کا وزن 125 گرام تک ہوتا ہے جس میں 75 فیصد پانی اور 25 فیصد مادے پائے جاتے ہیں۔ کیلے کے اوپر چھلکا ہوتا ہے جسے سکِن یا Peel کہتے ہیں۔ چھلکے کے نیچے نرم وملائم ذائقے دار گودا ہوتا ہے۔ کیلے میں یوں تو کئی غذائی اجزا پائے جاتے ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا لیکن ان میں پوٹاشیم کی خاصی مقدار پائی جاتی ہے۔

کیلے کا خاندان ''Musaceae'' کہلاتا ہے۔ کیلے کا ''سائنسی نام'' شہنشاہ اگسٹس (Augustus) کے معالج Antonius Musa کے نام پر ''Musa'' رکھا گیا ہے۔ جبکہ کچھ افراد کا خیال ہے کہ لفظ MUSA درحقیقت عربی زبان سے لیا گیا ہے جو ''MAUZ'' ہے جس کا مطلب ہے انگلیاں۔ اس پھل کی کاشت لگ بھگ 5000 سال قبل مسیح شروع ہوئی جب انسان نے اس کو خوش ذائقہ پایا اور اس وقت اس کو کاشت کرنا بھی آسان تھا۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خود ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ بھی اس پھل سے آشنا تھے اور اس کے استعمال سے متعلق احادیث بھی دستیاب ہیں۔ 9 ویں صدی میں فلسطین اور مصر میں بھی اس کی کاشت کے آثار ملے ہیں۔ آج کی دنیا میں بھی مسلمان اس پھل کو بکثرت استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ خاص کر رمضان المبارک میں تقریبات اور فروٹ چاٹ میں یہ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں کیلے کی کاشت شروع کروانے کا سہرا پرتگیزیوں کو جاتا ہے۔ انھوں نے 16 ویں صدی میں افریقہ سے لے جا کر اسے وہاں متعارف کروایا۔ اب کیلے کی نئی نئی اقسام بھی کاشت کی جا رہی ہیں۔ یہ اقسام ملائیشیا، فلپائن، چین، انڈونیشیا، نیوگنی وغیرہ میں کاشت ہو رہی ہیں۔ پاکستانی، ہندوستانی اور دیگر ممالک کے کیلے میں بیج نہیں ہوتا۔ لیکن افریقہ کے جنگلی کیلے (Wild Banana) میں بیج (Seeds) بھی ہوتے ہیں جو مزید پودے پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اکثر پودے بیج کی بجائے نئی شاخوں (Off Shoots) سے اُگائے جاتے ہیں۔ یہ پودے اگنے کے بعد 6 سے 8 ماہ میں پھل دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کیلے کا پودا 25 برس تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا زیر زمین تنا ہوتا ہے جسے رائزوم (Rhizome) کہا جاتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں پاکستان میں فلپائنی کیلے فروخت ہوتے رہے ہیں جن کی قیمت 250 سے 325 روپے درجن تھی۔ یہ کیلے خاص قسم کے



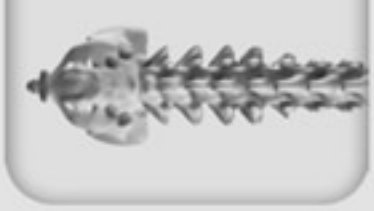
ہیں۔ ان کا چھلکا جاذبِ نظر اور کیلے کی جسامت بھی خاصی ہوتی ہے۔ اس نسل کو اب دنیا بھر میں تجارتی مقام حاصل ہے۔ تجارتی لحاظ سے اس قسم کے کیلے کو کیونڈش گروپ بنانا (Cavendish Group Banana) کہا جاتا ہے۔ یوں تو یہ قسم 1950ء میں متعارف ہوئی تھی۔ لیکن اس فصل پر بیماری کا حملہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس کمزوری پہ قابو پانے کے بعد اس فصل کو اب عالمی منڈی میں بلند مقام حاصل ہو گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ طویل فاصلے تک تجارتی سفر کے بعد بھی ان کی شکل وصورت جاذبِ نظر رہتی ہے اور یہ بہت جلد نرم پڑ کر خراب نہیں ہوتے۔ سفر کے دوران کیلوں کو 13.5 سے 15 سینٹی گریڈ کے درجۂ حرارت پہ رکھا جاتا ہے۔ عموماً کچے کیلے ٹرانسپورٹ کیے جاتے ہیں تا کہ منزل مقصود پر پہنچ کر یہ تجارت کے قابل رہیں اور رستے میں گل سڑ نہ جائیں کیونکہ کیلے کے چھلکے سے ایک گیسی ہارمون خارج ہوتا ہے جسے Ethylene کہا جاتا ہے۔ یہ ہارمون پھل کو جلدی پکا دیتا ہے۔ اسی لیے شاپر بیگ میں کیلے رکھنے سے جلدی خراب ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ گیسی ہارمون پھل کو تیزی سے پکا کر خراب کر ڈالتا ہے۔

کیلے کی اہمیت کئی لحاظ سے مسلمہ ہے۔ دنیا کے لاکھوں انسان اس کا پھل (کچی/سبز حالت میں) پکا کر بطور سبزی کھاتے ہیں۔ یہ آلو کی طرح کاٹ کر پکائے جاتے ہیں۔ دنیا کے کچھ لوگ ان کی قاشیں کاٹ کر پکاتے ہیں۔ کچھ ابال کر اور کچھ تل کر کھاتے ہیں۔ 2009ء کے سروے میں FAO نے معلومات فراہم کی ہیں کہ بھارت دنیا میں کیلے کی پیداوار میں پہلے نمبر پر ہے۔ جہاں ہر سال 30 ملین میٹرک ٹن کیلا پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد چین، فلپائن، ایکواڈور، برازیل، انڈونیشیا، تنزانیہ، گوئٹے مالا اور میکسیکو کا نمبر ہے۔ کولمبیا، تھائی لینڈ، ویت نام میں بھی یہ پھل بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی یہ پھل بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے اور ہر موسم میں ملتا بھی ہے۔ صوبہ سندھ اس کی کاشت کے لیے مشہور ہے۔ لیکن یہ مقدار اتنی نہیں کہ اس پھل کو عالمی منڈی میں بھیجا جا سکے۔ پھر ٹیکنالوجی کی کمی، تجارتی تقاضوں کے فقدان وغیرہ کے ساتھ ساتھ ہمارا کاشتکار کیلے کی جدید اقسام، اُن کی کاشت کے تربیتی پروگراموں اور دنیا میں مارکیٹنگ کے حوالے سے بہت پیچھے ہے، حالانکہ اس پھل کا شمار دنیا میں کھائے جانے والے پھلوں میں سرفہرست ہے۔

کیلے کی فصل کو حشرات اور "Fusarium" نامی فنگس سے بہت خطرہ رہتا ہے۔ یہ فنگس پانامہ بیماری پیدا کرتی ہے۔ جو پودے کو اندر ہی اندر سے خشک کر ڈالتی ہے اور بڑے پیمانے پر نقصان کا باعث بنتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد فنجائی اور وائرس بھی ان پر حملہ کرتے ہیں۔

کیلے محض خوش ذائقہ ہی نہیں بلکہ یہ توانائی اور غذائی مادوں کا خزانہ بھی ہوتے ہیں۔ ان میں کاربوہائیڈریٹس، شوگرز، سٹارچ، ریشے، چکنائیاں، پروٹین وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ یہ وٹامن A، تھائی مین، رائبوفلیون، نیاسن، ہیڈوتھیک ایسڈ جیسی وٹامنز B، فولیٹ، وٹامن C، کیلشیم، آئرن، میگنیشم، منگنیز، فاسفورس، پوٹاشیم اور زنک سے بھرپور ہوتے ہیں۔ اسی لیے کیلے کو مکمل غذا کہا جاتا ہے۔ اس میں پانی کی مقدار بھی اچھی خاصی ہوتی ہے۔

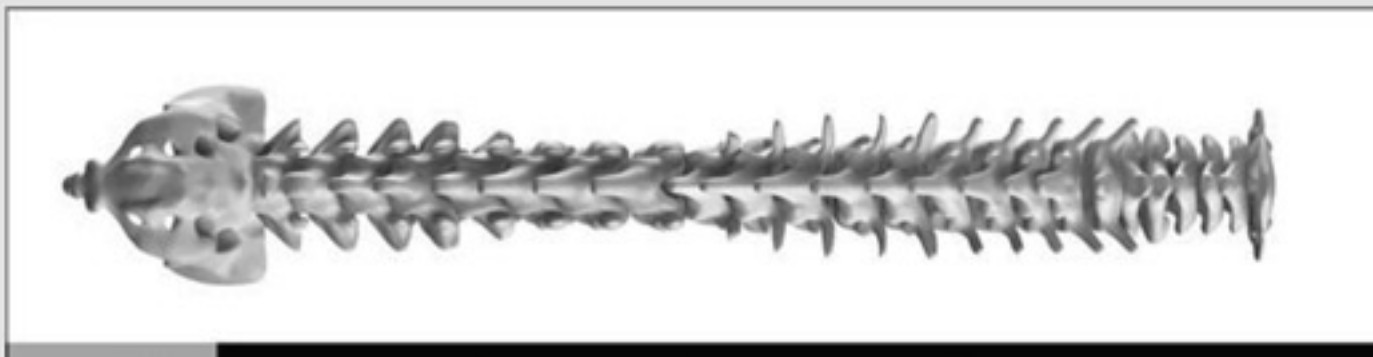
کیلے کا پھل غذائی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ لیکن اس کا کچا پھل اور پتے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ پتے خاصے بڑے ہوتے ہیں اور یہ قدرتی طور پر واٹر پروف ہوتے ہیں۔ اسی لیے چند علاقوں میں یہ بطور ڈسپوزایبل پلیٹ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پھر ان پتوں کو بحیثیت پیکنگ مٹیریل بھی خشک کرنے کے بعد استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات پہلے ہو چکی ہے کہ کیلے میں وٹامن B کی کئی اقسام موجود ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ پھل السر، کینسر، چھاتی کے کینسر اور دیگر اقسام کے سرطان سے بچاتا ہے۔ اس میں موجود پوٹاشیم قوتِ مدافعت میں اضافہ کرتا ہے جبکہ زنک قوتِ مردمی کو تقویت دیتا ہے۔ البتہ اعتدال سے کیلے کھانا چاہییں کیونکہ ان کی زیادتی پیٹ کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر پیٹ خراب ہو تو کیلے کا استعمال نمکیات کی کمی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح اگر قبض کی شکایت ہو تو اس کا استعمال اجابت لاتا ہے۔ کیلے سے ریشے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جاپان میں کیلے سے حاصل شدہ فائبرز سے متعدد اقسام کی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔ ان ریشوں کی مدد سے کاغذ سازی بھی ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہ ہم اپنے رب کی کسی نعمت سے انکار نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ کیلے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ہم پر احسانِ عظیم ہے!!!



ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی

رسول اکرم ﷺ کی ایک پیش گوئی کا مطالعہ

یوسف الحاج احمد (مصر)



''عَجب الذنَب'' سے تخلیق نو: ڈاکٹر زغلول نجار لکھتے ہیں: کئی ایک احادیثِ نبویہ میں عجب الذّنب (Coccyx) کا ذکر آیا ہے کہ یہ جنین کا وہ جز ہے جس سے اس کے جسم کو پیدا کیا جائے گا۔ یہ حصہ اس کی وفات اور اس کے جسم کے فانی ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے تا کہ اسے اس سے ازسرِ نو زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ حضرت محمد ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''..... پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا، تو لوگ اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ہڈی کے سوا انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے اور وہ ہے ریڑھ کی ہڈی کی دمچی، اسی سے روز قیامت اسے ازسرِ نو پیدا کیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم: 2955)

انھی احادیث میں سے ایک وہ ہے جسے سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَأْكُلُ التُّرَابُ كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجْبَ ذَنَبِهِ» قِيلَ: وَمَا هُوَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مِثْلُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ، مِنْهُ يُنْشَئُونَ» ''مٹی انسان کی ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی کے سوا ہر چیز کو کھا جاتی ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! عجب الذنب سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رائی کے دانے کی طرح ہے، اسی سے لوگ (دوبارہ) پیدا ہوں گے۔'' (مسند أحمد: 3 / 28، والمستدرك للحاكم: 651/4 واللفظ له)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے: «كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَأْكُلُهُ التُّرَابُ إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَفِيهِ يُرَكَّبُ» ''ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی کے سوا مٹی ابن آدم کے سارے جسم کو کھا جاتی ہے۔ اسی سے اسے (پہلی بار) پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے اسے (دوبارہ) بنایا جائے گا۔'' (صحیح مسلم: 2955، وصحیح ابن حبان: 408/7)

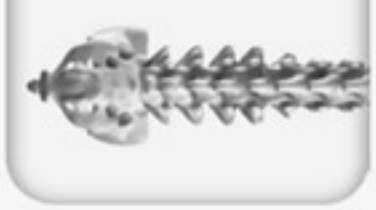
صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے:

''انسان میں ایک ایسی ہڈی ہے جسے زمین کبھی نہیں کھائے گی، اسی سے انسان کو روزِ قیامت پیدا کیا جائے گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ ہڈی کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عجب الذنب، یعنی ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی۔''

(صحیح مسلم: 2955)

صحیح مسلم کی تیسری روایت میں ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو نفخات (Trumpets) کے مابین چالیس کا وقفہ ہوگا۔'' لوگوں نے پوچھا: اے ابوہریرہ! کیا چالیس دن کا؟ انھوں نے کہا کہ میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ صحابہ نے پوچھا: کیا چالیس ماہ کا؟ انھوں نے کہا: میں اس سے بھی انکار کرتا ہوں۔ صحابہ نے پوچھا: کیا چالیس سال کا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس سے بھی انکار کرتا ہوں۔ ''پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا اور لوگ اس طرح اُگنے لگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''صرف ایک ہڈی کے سوا انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی اور وہ ہے ریڑھ کی ہڈی کی دُمچی، اسی سے روزِ قیامت دوبارہ تخلیق ہوگی۔'' (صحیح البخاري: 4935، وصحیح مسلم: 2955)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے جواب میں جو یہ کہا کہ ''میں انکار کرتا ہوں'' تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ وثوق سے یہ کہہ سکوں کہ چالیس سے مراد چالیس دن یا مہینے یا سال ہیں بلکہ وثوق سے اجمالی طور پر چالیس ہی کہتا ہوں۔ امام نووی رحمہ اللہ کے قول میں وضاحت کے ساتھ چالیس برس کے الفاظ ہیں۔



پیدائش کا ابتدائی تسمہ

یہ احادیثِ نبویہ ایک ایسی سائنسی حقیقت پر مبنی ہیں جسے جدید سائنس نے صرف چند سال قبل معلوم کیا ہے جیسا کہ علم الجنین کے ماہرین (Embryologists) نے ثابت کیا ہے کہ انسان کا جسم ایک حد درجہ باریک تسمے سے پیدا ہوتا ہے جسے ابتدائی تسمہ کہا جاتا ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کے ساتھ بیضے کے بارور ہونے اور رحم کی دیوار کے ساتھ لگنے کے پندرہ دن بعد پیدا ہوتا ہے اور اس کے پیدا ہونے کے بعد جنین اپنے تمام ابتدائی اعضا خصوصاً عصبی نظام کے ساتھ خاص شکل اختیار کرتا ہے اور اس سے ریڑھ کے مہروں اور باقی اعضائے جسم کے بننے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باریک تسمے (Subtle strip) کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ خلیوں کی تقسیم، مخصوص اور منفرد افعال کی انجام دہی اور مخصوص بافتوں (Tissues) میں جمع ہونے کے لیے انھیں تیار کرتا ہے اور جسم کے تمام وظائف سرانجام دینے کے لیے اعضا کی تکمیل میں معاون ہوتا ہے۔

تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ابتدائی تسمہ اس ایک چھوٹے سے جز کے سوا ناپید ہو جاتا ہے جو دُمچی (عصص) کی شکل میں ریڑھ کی ہڈی میں سب سے نیچے ہوتا ہے، بس یہی حصہ باقی رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث مبارکہ سے یہ ظاہر ہے کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو ریڑھ کی دمچی کے سوا اس کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے اور پھر احادیث مبارکہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ آسمان سے ایک خاص قسم کی بارش کے نازل ہونے کے بعد اسی سے انسان کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ ہمارا رب تبارک وتعالیٰ جس وقت چاہے گا اس بارش کو نازل فرمائے گا جس سے ہر مخلوق اپنی عجب ذَنَب، یعنی عصص (Coccyx) سے اس طرح پیدا ہو گی جس طرح بیج سے سبزہ اُگتا ہے۔

چینی ماہرین کی ایک جماعت نے مختلف لیبارٹری تجربات سے یہ ثابت کیا ہے کہ دمچی کی ہڈی کو کیمیائی طور پر بڑے طاقت ور تیزابوں میں گلا کر یا طبعی طریقے سے جلا کر یا پیس کر یا مختلف شعاعوں سے گزار کر بھی ختم کرنا محال ہے۔ اس سے حضرت محمد ﷺ کی اس حدیث کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے جسے تمام جدید علوم پر کم از کم چودہ سو سال کی سبقت حاصل ہے۔

دُمچی کا اعجاز اور وحی

یہاں ذہن میں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس طرح کے سائنسی اور غیبی مسئلے کو اس زمانے میں کیونکر بیان فرمایا جس میں مخلوق کو اس کا علم ہی نہ تھا؟ اگر اس کا تعلق وحی الٰہی سے نہیں اور یہ بات آپ ﷺ کو خالقِ ارض وسماء کی طرف سے تعلیم نہیں فرمائی گئی، تو پھر خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا تھا؟

اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم بے پایاں میں یہ بات تھی کہ انسان ایک نہ ایک دن جنین کے مختلف مراحل کا علم حاصل کر لے گا۔ جنین کے جسم کی تخلیق میں اس ابتدائی تسمے کا کردار اس کے سامنے واضح ہو جائے گا جس کا باقی ماندہ حصہ دُمچی کی ہڈی ہے، لہٰذا اس نے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کو اس حقیقت کے بیان کرنے کا الہام فرمایا تا کہ یہ بھی آپ کی نبوت ورسالت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ایسا علم حاصل کرنے کی صداقت کی دلیل بن جائے جو ہر زمانے اور ہر عہد کے مطابق ہو۔ ہمارا زمانہ اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس میں وہ سائنسی انکشافات اور فنی ترقیاں سامنے آئی ہیں جن سے سابقہ زمانوں کے لوگ بے بہرہ تھے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے سائنسی اشارات ہمارے دور کی زبان، طرز خطاب اور اللہ تعالیٰ کے اس آخری دین کی دعوت کا اسلوب ہیں جس کے سوا وہ پسند ہی نہیں فرماتا کہ اس کے بندے کوئی اور دین اختیار کریں، لہٰذا کسی عقل مند کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ یہ تصور کرے کہ چودہ سو سال قبل اس سائنسی حقیقت کا مصدر و مأخذ اللہ خالقِ کائنات کی طرف سے آنے والی وحی صادق کے سوا کچھ اور تھا۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا فرمایا اور عجب طریقے سے پیدا فرمایا، جس نے اپنے علم سے اپنے بندوں کو بھی حصہ عطا فرما دیا اور اپنے نبی خاتم ورسولِ اعظم ﷺ کی طرف اس حق کو نازل فرمایا کہ اس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

وصلّى الله وسلم وبارك علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه ومن تبع هداه، ودعا بدعوته إلىٰ يوم الدين.

اسلام وکلمہ طیبہ کے نام اور دو قومی نظریہ کے فلسفہ پر معرض وجود میں آنے والی مملکتِ خداداد ''پاکستان'' کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے، اسلامی اقدار کو مسخ کرنے اور اسلامی تہذیب وثقافت کو مغرب کے حیا باختہ کلچر میں بدل دینے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ عرصہ دراز سے بے دین قوتیں اپنے غیر ملکی آقاؤں کی سرپرستی میں اس تگ ودو میں لگی ہوئی ہیں کہ کسی بھی طرح سے اس ملک کی اسلامی، دینی مذہبی اور مشرقی الغرض کسی بھی قسم کی اساسی شناخت کو نہ صرف ختم کیا جائے بلکہ اس ملک کو خالصتاً سیکولر اور بے دین ریاست کا درجہ دلایا جائے۔ اس وطن کے باسی بھی مادر پدر آزاد ہوں۔ ان کا لباس، وضع قطع، فکر ونظر اور بود و باش ہمہ قسم طور طریقے مغربی اور غیر اسلامی بن جائیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے ان شیطانی قوتوں نے جہاں ایک جانب آئین پاکستان سے اسلامی دفعات کے اخراج، پاکستان کے نام سے ''اسلامی'' جمہوریہ کے خاتمہ، حقوق نسواں کے نام پر آزاد خیالی، بے راہ روی اور ہم جنس پرستی جیسے خبیث اور مکروہ اعمال کو قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں بل پاس کروانے کی کوششیں کیں وہاں ان مقاصد کے حصول کے لیے معاشرے کو بے راہ روی اور بدکاری میں مبتلا کر کے نسل نو کے بگاڑنے کے لیے بھی ہر ممکن اقدام کیے ہیں۔ ان شیطانی قوتوں کے مغربی آقا مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لیے منصوبہ بند پالیسی مسلط کر چکے ہیں، نیز اس پالیسی کے لیے لاکھوں ڈالر کی رقم خرچ کی جا رہی ہے، صہیونی آلہ کاروں کی اس جہد مسلسل کی وجہ سے گزشتہ دو دہائیوں کے دوران معاشرے میں جس قدر تیزی سے تبدیلی آئی ہے اس کی مثال ماضی میں ملنا مشکل ہے۔ فحاشی وعریانی کے فروغ کے لیے جس قدر تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص جس کے اندر عقل وشعور موجود ہے وہ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی چینلز پر تفریح کے نام سے نشر ہونے والے پروگرام تک نہیں دیکھ سکتا، حتیٰ کہ ارباب حکومت میں سے بھی بہت





سی شخصیات اسی قسم کے احساسات کا اظہار کر چکی ہیں، نوبت جب یہاں تک پہنچی ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کو کس طرح مسلمانوں کے رگ و پے میں اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ بے حیائی کے اس سیلاب کے سامنے بند کیوں نہیں باندھا جا تا، حالانکہ اس نے باشندگان پاکستان کے ایمان، عمل، حیا، غیرت، عزت الغرض دین و دنیا کو برباد کر دیا ہے۔ نسل نو تباہی کے دہانے پر ہے، جوانیاں اور عزتیں لٹ چکی ہیں۔ شہوانیت کے بھوت نے ثقافت، تمدن، تہذیب اور مذہب سبھی کو روند ڈالا ہے۔ فیشن شو، ڈراموں، ایڈورٹائزمنٹ، اشتہارات، میراتھن ریس، سنڈے میگزین، رسائل، جرائد، پورٹریٹ اور مختلف اشیاء کے پیکٹوں پر شائع شدہ نیم عریاں تصاویر، ٹی وی پروگراموں میں مرد و زن کے غیر شائستہ ناقابل بیان مناظر، انٹرنیٹ پر دستیاب فحش مواد اور اس کی باسہولت دستیابی یہ سبھی اشیاء فحاشی و عریانی کے بحر بیکراں کا حصہ بن چکی ہیں۔ سرکاری اداروں میں مرد و خواتین کے بلا روک ٹوک اختلاط اور مردوں اور عورتوں کا ایک ہی دفتر میں سینئر و جونیئر کی صورت میں باہم ڈیوٹی سرانجام دینے جیسے معاملات نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ ملکی آئین میں خواتین کی اسمبلیوں میں نمائندگی کا مخصوص کوٹہ نیز با اختیار طبقہ کا لیڈی سیکریٹری رکھنے کا فیشن اس بے حیائی کے فروغ کا ایک اور دروازہ ہے۔ ہم جنس پرستی کا نعرہ، تحفظ نسواں کے نام پر بننے والے قوانین اور اس خوبصورت نعرہ کے پس منظر میں مزید دین کش اقدامات کے حکومتی عزائم اور موبائل کمپنیوں کے نائٹ پیکجز معاشرتی بے راہ روی کو مزید فروغ دے رہے ہیں۔

فحاشی و عریانی، زنا کا موجب ہیں۔ زنا و بدکاری عذاب الٰہی کا ذریعہ اور فساد فی الارض کا سبب ہے، قرآن کریم نے جا بجا فحاشی کی مذمت فرمائی، ذیل میں ایسی چند آیات پیش کی جارہی ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ''بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔'' (النحل 16:90)

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْم﴾ ''شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمھیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے۔'' (البقرۃ 2: 268)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَداً وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَن يَشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْم﴾ ''اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور اگر کوئی شخص شیطان کے پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کر دیتا ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔''
(النور 24:21)

﴿ وَلاَ تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلاَ تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُون﴾ ''اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمھیں کچھ سمجھ آجائے۔''
(الأنعام 6:151)

﴿وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلاً﴾ ''اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔'' (بني اسرآئيل 17:32)

حضور ﷺ نے فواحش، زنا، بدکاری کی جو قباحتیں اور مذمتیں بیان فرمائی ہیں انھیں بھی ایک نظر ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے تشریف لائے، پھر فرمایا: ''اے مہاجرین کی جماعت! پانچ کاموں میں جب تم مبتلا کر دیے جاؤ گے



تو.....اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان پانچ کاموں کو پاؤ: ① کسی قوم میں علانیہ فحاشی ظاہر نہیں ہوتی مگر (اس کی پاداش میں) اس قوم کے اندر طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے بڑوں میں نہیں پائی جاتی تھیں، ② کوئی قوم ناپ تول میں کمی نہیں کرتی مگر قحط سالی، شدید مشقتوں اور حکومتی جبر سے ان کی سرزنش کی جاتی ہے، ③ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان سے بارش روک لی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر جانور نہ ہوں تو بالکل ہی بارش نہ برسے، ④ جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے توڑتی ہے تو یقیناً اللہ ان پر بیرونی دشمن مسلط کر دیتے ہیں جو ان کی بعض ملکیتی اشیاء غصب کر لیتے ہیں، ⑤ اور جو لوگ اللہ کی کتاب پر فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو پسند نہیں کرتے تو اللہ ان کی لڑائیاں انھی کے درمیان جاری کر دیتے ہیں۔'' (سنن ابن ماجه:4001)

لیجیے! اس حدیث سے ہمارے اکثر مسائل کا سبب اور حل بھی دریافت ہو گیا۔ آج سے چند برس پہلے تک حفظانِ صحت کے اصول و ضوابط کی رعایت تھی نہ غذا اور خوراک پر کوئی خاص تحقیق، صاف پانی کا اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ ہی جراثیم کش ادویات، اس کے باوجود وہ بیماریاں جو آج ظاہر ہو رہی ہیں کبھی سنی بھی نہ گئی تھیں۔ مہلک اور متعدی بیماریوں کی شرح اور ان کی وجہ سے غیر طبعی اموات بھی نہ ہونے کے برابر تھیں۔ آج دل، جگر اور گردہ کی بیماریاں وبا کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ ڈینگی جیسے نئے مرض نے قوم کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ بعض علاقوں میں ہر تیسرا آدمی کالے یرقان میں مبتلا ہے، یقیناً ان اسقام سیئہ اور خطرناک بیماریوں کا حقیقی سبب وہی ہے جو اس حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہ ہے علانیہ بے حیائی، فحاشی اور عریانی۔

اس فحاشی و عریانی کے سدّ باب کے لیے پوری قوم پر انفرادی و اجتماعی طور پر درج ذیل اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جنھیں پورا کرنا نہایت ہی ضروری ہے، بصورت دیگر جس قدر دینی و دنیوی انحطاط ہو گا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا:

① پوری قوم بے حیائی کے سیلاب کے خلاف صف آرا ہو کر حیا باختہ نام نہاد ثقافت کا بائیکاٹ کرے۔

② فحاشی، عریانی پھیلانے والے اخبارات و جرائد کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے، ایسے اخبارات و جرائد دفاتر اور گھروں میں داخل نہ ہونے دیے جائیں جو فحاشی پھیلانے میں کردار ادا کر رہے ہیں۔

③ ایسے ٹی وی چینل جو مغرب پرستی اور قوم کو مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے میں مصروف عمل ہیں نہ صرف ان کا بائیکاٹ کیا جائے بلکہ دردمندانِ وطن انھیں اشتہارات اور تعاون دینے سے بھی گریز کریں، تاکہ انھیں یہ احساس دلایا جا سکے کہ وہ ایک برائی کی تحریک کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

④ باشعور اور دیندار صحافی بھی ایسے چینلز کا بائیکاٹ کریں۔

⑤ کمپنیوں کے مالکان اپنی اشیاء کی تشہیر کے لیے غیر شرعی ذرائع استعمال کر کے اپنے رزق کو حرام کے ساتھ آلودہ نہ کریں۔

⑥ والدین اپنے بچوں کی مناسب تربیت اور دیکھ بھال کا انتظام کریں، نیز بچوں کو اخلاق بگاڑنے والی جملہ اشیاء سے حتی الامکان محفوظ رکھا جائے۔

⑦ اہل علم، اہل قلم اور اہل لسان اپنی تقریر و تحریر میں فحاشی و عریانی کے نقصانات سے نسل نو کو آگاہ فرمائیں۔

⑧ حکومتی سطح پر ایسے اقدامات اٹھائے جانے کی ضرورت ہے جس سے اس سلسلہ کو روکا جا سکے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے اگر مندرجہ ذیل اقدامات پوری نیک نیتی کے ساتھ اٹھائے جائیں تو اس سے نہ صرف یہ کہ پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا بلکہ معاشی طور پر استحکام کے ساتھ ساتھ بیماریوں سے پاک صحت مند قوم پروان چڑھے گی:

① مخرب اخلاق ویب سائٹس کو بند کرنے کے لیے انٹرنیٹ فلٹریشن کا مضبوط نظام۔

② فحش مواد پر مشتمل ٹی وی چینلز اور کیبلز پر پابندی اور بھاری جرمانے کے ساتھ ساتھ لائسنس کی منسوخی۔

③ پانچویں جماعت سے اوپر مخلوط تعلیم پر پابندی۔

④ اداروں میں مرد و زن کی ملازمتوں کے لیے الگ الگ انتظامات۔

⑤ نسل نو کے ایمان کی حفاظت کے لیے معتبر اور باعمل علماء کا میڈیا پر سلسلہ وار درس کا انتظام۔

پاکستان کے خلاف اتنا شور کیوں؟

ثناء اللہ سیالکوٹی (لندن)



پاکستان کو بدنام کرنے، اسے دہشت گرد اور ناکام ریاست قرار دینے، یہاں افراتفری پھیلانے، انھیں مختلف مسائل سے دوچار کرنے اور یہاں سازشیں کرنے اور حالات خراب کرنے میں یہود و ہنود کے ساتھ بدطینت شیطان ملوث ہیں۔ کئی ڈرامے رچائے گئے، کئی پلان اور منصوبے بنائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے تمام منصوبے اور عزائم فیل کر دیے، آئندہ بھی اگر ایسا کریں گے تو ناکام ہوں گے۔ ہمارا یقین ہے جو بھی ایسا کرے گا اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔ اس لیے کہ اس ملک کے بنانے میں جس طرح تائید الٰہی حاصل تھی، اسی طرح اس کی بقا میں بھی نصرت الٰہی شامل ہے۔

دنیا میں جتنے بھی ممالک معرض وجود میں آئے، یہ کسی قوم، کسی علاقے کے نام پر ہیں، جیسے افغانستان، ہندوستان، ازبکستان، ترکمانستان، سعودی عرب وغیرہ۔ اسلامی ممالک میں



پاکستان ایسا ملک ہے جو ایک نظریے پر قائم ہوا ہے۔ اس کے بناتے وقت یہ نعرے لگائے گئے کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ۔ پھر اگر اس کے نام پاکستان پر غور کیا جائے تو معنی ہیں ''پاک جگہ۔'' اگرچہ پاکستانیوں کو دیکھ کر، ان کی حرکات پر لوگ طعنے دیتے ہیں کہ یہ پاک لوگ ہیں، ان کی کرتوتیں یہ ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں، ہمارے اندر کوتاہیاں ہیں، ایک وقت آئے گا یہاں کے باسی اسم بامسمیٰ ہوں گے، ان شاء اللہ۔ پھر اس کا قیام بھی 27 رمضان المبارک کو ہوا، یہ اتفاق نہیں، قدرت الٰہی کا کرشمہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے کام لینا ہے۔

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے، اس کی مدینہ کی ریاست کے ساتھ مشابہت اور مماثلت بھی ہے، مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے یہاں آئے، پھر یہ اسلام کی اشاعت کا مرکز بن گیا۔ یہیں سے مسلمانوں نے مکہ اور عرب کے دیگر علاقوں کو فتح کیا۔ اسی طرح نظریاتی رشتہ میں مطابقت کے ساتھ ہندوستان سے مسلمان ہجرت کر کے آئے، مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر پاکستان آئے، جس طرح مدینہ میں مہاجروں نے آ کر پناہ لی، افغانستان، مقبوضہ کشمیر اور متعدد مقامات سے ہجرت کر کے لوگ پاکستان میں پناہ لیتے ہیں، بلکہ اس وقت بھی دنیا میں سب سے زیادہ مہاجرین پاکستان میں ہیں۔ ان شاء اللہ یہ وقت بھی آئے گا کہ پاکستان اسلام کی اشاعت کا مرکز بنے گا، یہاں سے آزادی کے لیے تحریکیں اٹھیں گی، کاش! انھیں اچھے قائد اور لیڈر ملیں اور ان شاء اللہ ضرور ملیں گے۔

کوتاہیوں کے باوجود پاکستان کے لوگ بڑے فراخ دل اور مہمان نواز ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہو اس کو پاکستانی لوگ زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ جلسے جلوس یہاں زیادہ نکلتے ہیں، ان کی حمایت میں آوازیں یہاں سے زیادہ اٹھتی ہیں۔ اخباری سروے بھی ہیں کہ خیرات کے کاموں میں امریکہ کے بعد سب سے زیادہ یہاں کے لوگ حصہ لیتے ہیں۔ فلسطین میں ظلم ہو، مقبوضہ کشمیر، فلپائن میں مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو، عوامی احتجاج یہاں سب سے زیادہ ہوتے ہیں، یہ اس لیے کہ اللہ نے اس ملک کے باسیوں سے کام لینا ہے، مظلوم مسلمانوں کی امید کا مرکز یہی ملک ہے۔ فلسطین کے سابق صدر یاسر عرفات سے کسی صحافی نے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ روس جیسی دنیا کی دوسری بڑی طاقت کو افغانستان کے لوگوں نے نکال دیا، آپ چھوٹے سے اسرائیل کو فلسطین سے نہیں نکال سکتے۔ اس نے جواب دیا تھا کہ اس کے پیچھے پاکستان تھا، کاش ہمارے پیچھے بھی ایسا ملک ہو۔

پاکستان کی بنیادوں میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنا خون دیا، عورتوں نے اپنی عصمتیں لٹائیں۔ ہمارے بزرگ بتاتے تھے کہ جب قافلے گزرتے، دونوں طرف درندے کھڑے ہوتے، نوجوان عورتوں کو پکڑ کر لے جاتے، بے چاری چیخ چلا کر خاموش ہو جاتیں، اب بھی ہزاروں عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں ہیں، اپنے غیرت مند بھائیوں کی طرف آس لگائے بیٹھی ہیں، اپنے دلوں میں ابھی تک ایمان کی شمعیں جلائے ہوئے ہیں۔ بادشاہی مسجد کے سابق خطیب مولانا عبدالقادر آزاد دیوبند کی صد سالہ تقریب میں شرکت کے لیے گئے، کہنے لگے: ایک برقع پوش عورت آئی، کہنے لگی: بے غیرتو! یہاں کیا لینے کے لیے آئے ہو، مسلمان ہوں، ہندوؤں کے قبضے میں ہوں، کب آزاد کراؤ گے؟ تقریبوں میں بڑی خوشی سے آتے ہو۔ کہنے لگے: شرم کے مارے سر نیچا کر لیا، وہ بات کہہ کر چلی گئی۔ مگر میرے دل کو چھلنی کر گئی، جس ملک کے بنانے میں لاکھوں شہیدوں کا خون ہو، عورتوں کی عصمتیں لٹی ہوں، کیا سمجھتے ہیں کہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اللہ نے اس ملک کو عالم اسلام کی قیادت سونپی ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی ایسا ملک نہیں جس نے پچاس سال کے اندر ایٹمی دھماکا کیا ہو، پھر اس ایٹمی دھماکے سے پورے عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، پھر اس کے خلاف پابندیاں لگائی گئیں، پروپیگنڈا کیا گیا، یہ اسلامی بم ہے، حالانکہ اس سے پہلے کسی کو نہیں کہا گیا، عیسائی بم، ہندو بم، کیمونسٹ بم، بدھسٹ بم۔ اس لیے بدنام کیا گیا کہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی اہمیت کیا ہے؟ یہ پاکستان کی صلاحیتوں سے بھی واقف ہیں، اس لیے شور وغل کر رہے ہیں؟

ابھی تک کہا جا رہا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثے غیر محفوظ ہیں، یہ مذہبی لوگوں کے



ہاتھوں میں آ جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنھوں نے بنایا ہے کیا وہ محفوظ کرنا نہیں جانتے، بلکہ انھوں نے محفوظ کرنے کا جدید ترین طریقہ اپنایا ہوا ہے، آج تک اس کے تابکاری اثرات سے کوئی متاثر نہیں ہوا، جبکہ روس اور ہندوستان کے ہزاروں لوگ تابکاری اثرات سے متاثر ہوئے ہیں، ابھی تک معذور بچے پیدا ہو رہے ہیں، اس کی طرف کسی کی نظر نہیں گئی۔

پاکستان دنیا کے اہم ترین مقام پر واقع ہے، یہاں سے مغرب و مشرق کے آنے جانے کے راستے ہیں، ان کی بندرگاہیں اہم جگہ پر واقع ہیں، یہاں کے میدانی علاقے پیداوار کے لحاظ سے مشہور ہیں، انگریز پنجاب کو سونے کی چڑیا کہتے تھے، یہاں ہر قسم کی فصلیں ہوتی ہیں، اس کے پہاڑ معدنیات سے بھرے پڑے ہیں، یہاں نمک، کوئلے، تانبے، سنگ مرمر، تیل، گیس کے وسیع ذخائر موجود ہیں، یہاں دنیا کے بلند ترین پہاڑ ہمالیہ، کے ٹو ہیں، پہاڑ کروڑوں ٹن برف اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہیں، پانی کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، اتنی پگھل جاتی ہے، پورے پاکستان میں دریا بہہ رہے ہیں، یہاں کا نہری نظام دنیا کے اچھے نظاموں میں سے ہے، ان دریاؤں کے پانی سے بہت زیادہ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ڈیم بنائے جائیں، سیاسی لیڈروں کو کنٹرول کیا جائے، ان کی سوچ قومی بنائی جائے۔

پاکستان میں دنیا کی ہر نعمت موجود ہے، موسم بھی بڑے سازگار ہیں، صرف محبِّ وطن، دیانتدار حکمران چاہییں جو ان وسائل کو بروئے کار لا کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکیں، اپنی تجوریاں نہ بھریں، ملکی دولت لوٹ کھسوٹ کر باہر نہ لے جائیں۔ جن لیڈروں کی دولت باہر ہو وہ محبِّ وطن نہیں ہو سکتے۔ پھر ان کی دولت ڈوب جائے گی، ان کی دولت کتے بلیاں اور گھوڑے کھا جائیں گے، یہاں ایسے لیڈر نہیں چاہییں جو ہوں تو لٹیرے، غم غریبوں کا رکھیں، دولت بیرون ملک رکھیں، لیڈری اپنے ملک میں جمائیں، ملک کی نظریاتی جڑیں کھوکھلی کریں، نعرہ اسلام کا لگائیں، ایسے صحافی اور دانشور بھی نہیں چاہییں جو رہیں اس ملک میں اور ہمدردیاں دوسروں کے ساتھ ہوں۔ جن کے قلم اور زبانیں دوسروں کے لیے لکھیں اور گن گائیں، ایسے شاعروں اور منافقوں کے لیے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں۔

پاکستان کے خلاف جو ڈرامہ کھیلا گیا تھا وہ ناکام ہو گیا۔ وہ فیل ہو گئے مگر اب اپنے ملک کے لوگ ہی میڈیا اور لیڈروں کے خلاف ہو گئے۔ یہ تماشا بند کریں، ہمارے ہمسایہ ملک بھارت نے دلی طور پر آج تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا، یہ بغل میں چھری لے کر منہ سے رام رام بھی کرتے ہیں، ان کا خیال تھا، پاکستان کو جلدی ہڑپ کر جائیں گے، ان کے پاس وسائل ہیں۔ اب ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی ہے، ان کے ارادے خاک میں مل گئے ہیں، اکھنڈ بھارت بنانے میں اگر کوئی رکاوٹ بنا ہے تو صرف پاکستان ہے۔ اب طاقت کے حربے بے کار ہو گئے ہیں، اب ثقافتی وار کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے گانے بجانے والوں کے وفود آ جا رہے ہیں، ''امن کی آشا'' کے نعرے لگ رہے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا چاہیے، لیڈروں کے ساتھ علمائے کرام بھی فرقہ بندی کے خول سے باہر نکلیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ سب سچی ہو کر رہیں گی، غزوۂ ہند کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس میں شرکت کرنے والوں کو جو بشارت دی گئی، اس کے ظہور کا وقت آنے والا ہے، وہ پوری ہو کر رہے گی، اسی طرح ہندوستان (بھارت) کے مظلوم مسلمانوں کی بھی سنی جائے گی۔ کشمیر کے لوگوں کی قربانیاں بھی رنگ لائیں گی، یہ اپنے بچھڑے بھائیوں سے ملاقات کریں گے، صبحِ صادق طلوع ہونے والی ہے، اسی وجہ سے اس کے خلاف واویلا کیا جا رہا ہے۔

پاکستان کا فاٹا کا علاقہ بھی عجیب قسم کا ہے، بہت کم لوگوں کو اس علاقے کی معلومات ہیں، یہ علاقہ اونچ نیچ، اپنی ناہمواری اور بلندی کی بنا پر آج تک کسی کے قبضہ میں نہیں آ سکا، نہ اس پر آج تک کوئی حکومت کر سکا، یہاں کے لوگ فطری طور پر بڑے جنگ جو، بہادر اور دلیر ہیں، لڑائی جھگڑا، قتل و غارت ان کی فطرت میں ہے، اگر دشمن کے ساتھ ان کی لڑائی نہ ہو یہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ خدائی فوج ہے جو ہر وقت ٹریننگ کرتی رہتی ہے، یہ ساٹھ لاکھ فوج بغیر تنخواہ لڑنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ بہادری، دلیری، مہمان نوازی، دینداری، سادگی، سچائی، دوستی، دشمنی ان کی فطرت میں شامل ہے۔ انھیں مغربی میڈیا غیر مہذب، غیر ترقی یافتہ، تعلیم



کے خلاف سمجھتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، ان کے حسن سلوک سے بی بی سی کی رپورٹر مسلمان ہوئی تھی، انھیں کبھی طالبان کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جو لوگوں کو دینی احکامات پر مجبور کرتے ہیں، عورتوں کو باہر نہیں نکلنے دیتے، سکولوں کے خلاف ہیں، یہاں خودکش حملے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ جیسے انھیں پیش کیا جاتا ہے۔ ایسے نہیں ہے، یہ پاکستان کے وفادار ہیں، اتنا ان پر ظلم وستم ہو رہا ہے، پھر بھی پاکستان کے خلاف نہیں، نہ ہی انھوں نے آج تک پاکستان کا جھنڈا جلایا ہے، ہندوستان نے دھمکی دی تھی، وہاں سے لشکر تیار ہو گئے تھے، انھیں اگر اپنی روایات، اپنی دنیا میں مگن رہنے دیا جائے تو اچھا ہے۔ یہ نکلیں گے جب وقت آئے گا، انھیں مجبور نہ کیا جائے، ان کے علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے دشمن کی کارروائی ہے، جو انھیں بدنام کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے مومن کی صفات بیان کی ہیں، ان پر صادق آتی ہیں۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

علامہ اقبال نے مسلمانوں کے اتحاد کی بات کی تھی، اس کا وقت بھی آنے والا ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

یہ خدائی فوج جس وقت نکلے گی، ان تمام ممالک کے لوگوں کو اکٹھا کرے گی، یہ تحریک ان لوگوں سے اٹھے گی، یہ پورا خطہ ان کی نسلوں میں سے ہے، اسی ڈر کی وجہ سے اتحادی افواج نے یہاں آ کر ڈیرے لگائے ہیں، جنگ احزاب کی طرح سب اکٹھے ہو کر آئے تھے، ان شاء اللہ یہ ناکام ہوں گے، ان پر بھی آندھی چلنے والی ہے۔ ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکے گی، جس طرح جنگ احزاب میں ہوا تھا، جنگ احزاب کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس کے بعد وہ حملہ نہیں کریں گے بلکہ ہم کریں گے'' یہاں بھی ایسا ہو گا۔ یہ ان کا آخری وار ہے پھر پاکستان اتنا طاقتور اور مضبوط ہو گا کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے، وہ وقت آنے والا ہے جب یہاں تمام فیصلے ہوں گے، قیادت اور سیاست پاکستان کرے گا۔

عوام کو صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے، ملک کے اندر انارکی پھیلانے والے صحافی ناکام ریاست قرار دینے والے دانشور کالی بھیڑیں، غیر ملکوں کی نمائندگی کرنے والے تجزیہ نگاروں سے ہوشیار رہیں۔ دوسرے ملکوں میں بیٹھے ہوئے نام نہاد لیڈروں کے بیانات پر کان نہ لگائیں، ملک کے اندر جس وقت محبِ وطن قیادت آئے گی ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا، ابھی تک تو ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے، جیالوں کو نوازا جا رہا ہے، وزیروں، مشیروں کی فوجیں لوٹنے کے لیے ہیں۔ عملی اقدامات کچھ نہیں کرتے، صرف بیانات دیتے ہیں۔ جب ملک سے ایسے لیڈروں وزیروں مشیروں کا خاتمہ ہو گا، خدا ترس، سادگی اپنانے والے حکمران آئیں گے، دیکھیے ملک کس طرح ترقی کرتا ہے، پھر واقعی یہ عالم اسلام کی رہنمائی کرے گا، پھر دیکھیے آزادی کی جو تحریکیں چل رہی ہیں، ان کی کس طرح رہنمائی ہوتی ہے۔ پاکستان کس طرح ان کی امداد کرتا ہے، پاکستان بہت بڑی نعمت ہے۔

حکمرانو! پاکستان کے لوگو! اس ملک کی قدر کرو، جتنا بھی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو کم ہے، جاؤ ذرا ان لوگوں سے پوچھو جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے، گجرات کے مسلمانوں سے پوچھو، ان پر کیا گزرتی ہے، ان عیسائیوں سے پوچھو جن کے گرجے جلا دیے جاتے ہیں، ان سے پوچھو انھیں سکولوں مندروں میں جانے کی اجازت نہیں، مقبوضہ کشمیر کے لوگوں سے پوچھو ان پر کیا گزرتی ہے، فلسطین کے لوگوں سے پوچھو آزادی کیا چیز ہے؟

غرضیکہ آج اگر بیرونی طاقتیں پاکستان کے خلاف ہیں، اسے بدنام کرتی ہیں، اسے دہشت گرد ملک قرار دیتی ہیں، اسے ناکام ریاست قرار دیتی ہیں، تو انھیں حق حاصل ہے، اس لیے کہ پاکستان کی ترقی، پاکستان کی طاقت، پاکستان کے محل وقوع سے وہ واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مستقبل میں کیا کچھ ہونے والا ہے، کیا نقشہ بننے والا ہے؟ اس لیے شور کر رہے ہیں۔ مگر پاکستان قائم دائم رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے، ان شاء اللہ یہ قائم رہے گا، شہیدوں کا خون رنگ لائے گا، بزرگوں کی دعائیں اثر دکھائیں گی۔ اللہ پاکستان کا حامی وناصر ہو۔

عراق کے تاریخی شہر

2

محسن فارانی



بصرہ

بصرہ عراق کا تاریخی شہر اور بندرگاہ ہے جو بغداد سے 420 کلومیٹر جنوب مشرق میں شط العرب کے مغربی کنارے واقع ہے۔ دجلہ اور فرات کے سنگم ''القرنہ'' سے آگے متحدہ دریا شط العرب کہلاتا ہے جو 185 کلومیٹر تک بہتا ہوا عراقی بندرگاہ الفاو کے پاس خلیج فارس میں آ گرتا ہے۔ عہد فاروقی میں جو بصرہ آباد ہوا تھا وہ شط العرب سے تقریباً 15 کلومیٹر مغرب میں ہے اور اس وقت وہ الخریبہ (کھنڈر) کہلاتا تھا۔ اس کے قریب ہی قدیم شہر اُبلّہ تھا جہاں سے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے 13ھ میں فتوحات عراق کا آغاز کیا تھا۔ قدیم بصرہ ان دنوں ''الزبیر'' کہلاتا ہے جو صحابیٔ رسول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے جنھوں نے اس کے نزدیک جنگِ جمل (36ھ) میں شہادت پائی تھی۔

کوفہ کی طرح بصرہ بھی ایک فوجی چھاؤنی کے طور پر بسایا گیا تھا۔ ابتدا میں سرکنڈوں کے جھونپڑے کھڑے کیے گئے، پھر ایک آتشزدگی کے بعد خام اینٹوں سے مکانات تعمیر کیے گئے۔ اہلِ بصرہ نے نہاوند، اصطخر، فارس، کرمان، مکران، خراسان اور سجستان کی فتوحات میں حصہ لیا۔ پھر حجاج بن یوسف نے بصرہ ہی سے محمد بن قاسم کو فتح سندھ کے لیے بھیجا تھا۔

سیدنا معاویہ کے گورنر بصرہ زیاد بن ابیہ کے عہد میں بصرہ میں کچی اینٹوں کی جگہ پختہ اینٹوں کے مکانات بننے لگے۔ بصرہ کی خوشحالی کا بڑا ذمہ دار زیاد ہی تھا۔ اس وقت یہ شہر پانچ اخماس (خُمس کی جمع) میں منقسم تھا جو اہل العالیہ، بنو تمیم، بنو بکر بن وائل، بنو عبدالقیس اور بنو ازد کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ موالی، ایرانی سندھی اور زنجی یا زنگی (مشرقی افریقہ کے) بھی بستے تھے۔

64ھ/683ء میں مختار ثقفی کے ہاتھوں گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے قتل پر بصرہ شدید بدنظمی کا شکار ہو گیا۔ 67ھ میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما عامل بصرہ بنے اور پھر 72ھ/691ء تک بصرہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں شامل رہا حتی کہ خلیفہ عبدالملک کے لشکر نے بصرہ فتح کر لیا اور مصعب جنگ میں مارے گئے۔

بصرہ شروع ہی سے گرم مسالوں کی تجارت کا مرکز بن گیا۔ بصرہ اور کوفہ دونوں علم و ادب کے مرکز تھے، ان دونوں کو البصرتان کہا جاتا تھا۔ اپنے عہد عروج (اوائل تیسری صدی ہجری) میں بصرہ چھ لاکھ کی آبادی کا پُر رونق شہر تھا۔ یہیں عربی صرف ونحو نے جنم لیا اور سیبویہ اور خلیل احمد نے اسے چار چاند لگائے۔ واصل بن عطا، عمرو بن عبید، ابوالہذیل اور النظام نے یہیں معتزلیت کو فروغ دیا۔ یہیں ابوعمر بن العلا، ابوعبیدہ اصمعی اور ابوالحسن مدائنی ایسے فضلاء پیدا ہوئے جنھوں نے اشعارِ عرب اور تاریخی روایتیں جمع کیں۔ یہیں بابائے کیمیا جابر بن حیان نے جنم لیا۔ یہیں امام حسن بصری رحمہ اللہ درس حدیث دیتے تھے۔ بشار بن برد اور ابونواس جیسے شعراء بھی اسی سرزمین سے اٹھے۔ عربی نثر نے ابن المقفع، سہل بن ہارون اور الجاحظ کی مساعی سے یہیں جنم لیا۔ کتب خانہ ابن سوّار، اخوان الصفا اور الحریری نے قدیم بصرہ کی آبرو رکھی۔

740ھ سے 914ھ تک بصرہ پر شیعہ



مسلک کے قرہ قویونلی ترکمان قابض رہے، 914ھ تا 941ھ اس پر ایران کی شیعہ صفوی سلطنت مسلّط رہی۔ ان سو سالہ ادوار کے گہرے اثرات آج بھی بصرہ اور جنوبی عراق کی شیعہ اکثریت کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ عثمانی خلیفہ سلیمان اعظم کے عہد میں 941ھ / 1534ء میں بصرہ عثمانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

فتح قادسیہ کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ارضِ حیرہ اور گرد ونواح پر قبضہ جما لیا تو انھوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حسبِ حکم عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو ارض الہند (اُبلّہ) کی طرف بھیجا۔ اس زمانے میں قدیم ابلّہ کا یہی نام (ارض الہند) تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حکم یہ تھا کہ ''عتبہ رضی اللہ عنہ وہاں جا کر مسلمانوں کے لیے ایک قیروان (صدر مقام) آباد کریں اور میرے اور اُن کے درمیان بحر (شط العرب کا دریا) حائل نہ ہونے دیں۔'' چنانچہ عتبہ رضی اللہ عنہ حیرہ سے 800 افراد لے کر چلے اور بصرہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ شط العرب کے مغربی کنارے پر اُبلہ کے شمال میں تھی۔ جب عبداللہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اُبلّہ فتح کر لیا تو اہلِ اسلام نے وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ سیدنا عتبہ رضی اللہ عنہ کا خیمہ کپڑے کی چادروں کا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے مزید لوگ وہاں بھیج دیے۔ ان لوگوں نے دس بستیاں اینٹوں سے تعمیر کر لیں۔ ان میں سے ایک بستی خریبہ میں تھی۔ دو بستیاں بنو تمیم کی تھیں اور تین محلّے بنوازد کے تھے۔

سیدنا عتبہ رضی اللہ عنہ کے بعد مغیرہ بن شعبہ گورنر بنے تو دہقانِ میسان مرتد ہو گیا اور لشکر لے کر بصرہ کی طرف بڑھا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے مُنعَرج کے مقام پر شکست دی۔ ایرانی دہقان (عامل) مارا گیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بعد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ بنے۔

بصرہ کے لغوی معنی ہیں: ان گڑھ سنگریزوں کی سرزمین جن میں سفیدی ہو۔ مسلمان جب بصرہ کے میدان میں پہنچے تو اسے سنگریزوں سے اٹا پایا، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے: یہ تو اَرضٌ بَصْرۃٌ (سنگریزوں والی زمین) ہے۔ پھر شہر کا یہی نام پڑ گیا۔ نافع بن حارث بن کلدہ ثقفی کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جب توّج، نوبندجان اور طاسان فتح کر لیے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس علاقے میں ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا۔ بنو سدوس کا ایک شخص کہنے لگا: ''امیر المومنین! میں نے دجلہ (شط العرب) کے ادھر ایک قصر دیکھا ہے جس میں عجمیوں (ایرانیوں) کا اسلحہ ہے، اسے خُرَیبہ یا بُصَیرہ کہا جاتا ہے۔ وہ دجلہ سے چار فرسخ (22 کلومیٹر) پر ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا۔ انھوں نے عتبہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا: ''یہ ارض بصرہ ہے جو پانی، چراگاہ اور ایندھن کے قریب ہے۔'' پھر اس قصر کے پاس نیا شہر آباد ہوا اور وہ بصرہ کہلایا۔

بصرہ 14ھ میں کوفہ سے چھ ماہ پہلے آباد ہوا۔ یہاں سب سے پہلے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کھجور کا باغ لگایا۔ بصرہ میں پہلا گھر نافع بن حارث کا تھا، پھر معقل بن یسار مزنی نے اپنا گھر بنایا۔ گورنر بصرہ زیاد ابن ابیہ کے عہد میں یہاں 80 ہزار مجاہدین آباد تھے جن کے اہل وعیال کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ بصرہ کی بستیوں میں طلحتان (طلحہ بن ابی رافع مولیٰ طلحہ رضی اللہ عنہ)، مہلّبان (مہلب بن ابی صفرہ)، شط عثمان (عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ)، نافعان (نافع بن حارث ثقفی)، قتیبتان (قتیبہ بن مسلم)، فیلان (فیل مولیٰ زیاد) مشہور تھیں۔ عبیداللہ بن ابی بکرہ سوید سدوسی کی عیادت کو گئے اور حال پوچھا۔ سُوید بولے: ٹھیک ہے اگر آپ چاہیں۔ عبید اللہ نے کہا: میں تو چاہتا ہوں، پھر؟ سوید نے کہا: اگر مجھے ابن معمر کی طرح زمین دے دیں تو مجھے کوئی ڈر نہیں۔ عبیداللہ نے سُوید کو ایک قطعہ دے دیا جو آباد ہونے پر سُویدان کہلایا۔ نہرابی برذعہ بن عبیداللہ بن ابی بکرہ بھی معروف تھی۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ہارون الرشید کو یہ کہتے سنا: ''ہم نے جانچا تو روئے زمین کا تمام سونا اور چاندی بصرہ کی کھجوروں کی قیمت کو نہ پہنچ سکا۔'' اور جاحظ نے بصرہ کے غیر یقینی موسم کے بارے میں کہا: ''بصرہ کا ایک عیب یہ ہے کہ ایک ہی دن میں اس کا موسم ایسا مختلف ہوتا ہے کہ ایک پہر تو لوگ صرف کُرتے پہنتے ہیں اور دوسرے پہر وہ کمبل اوڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔'' اسی لیے اسے بصرۃ الرعناء (بے پروا بصرہ) کہا گیا۔ جبکہ ابوحاتم کا قول ہے: ''بصرہ کے عجائبات میں کھجور ہے اور اس سے اللہ نے اسلام کو عزت بخشی ہے۔ کھجور عالمِ اسلام کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی، البتہ بلادِ ہند، حبشہ اور نوبہ (سودان) کے گرم علاقے کھجور کی فصل کے لیے موزوں ہیں۔''

یزید الرشک نے کہا: میں خالد بن عبداللہ القسری (اموی گورنر) کے عہد میں بصرہ سے



گزرا تو اسے دو دو فرسخ (11 کلومیٹر) کے طول وعرض میں آباد پایا۔ بصرہ کی جامع مسجد سیدنا ابوموسیٰ اشعری نے اینٹوں سے تعمیر کرائی۔ اس سے پہلے اس کی دیواریں سرکنڈوں کی تھیں اور دارالامارہ (گورنر ہاؤس) بھی ایسا ہی تھا۔ زیاد بن ابیہ نے دارالامارہ مسجد کے قبلے کی جانب بنوایا اور ادھر کی دیوار میں سے دروازہ نکالا تاکہ امام (امیر) کو نمازیوں کو ٹاپ کر نہ آنا پڑے، نیز منبر درمیان سے اٹھوا کر دیوارِ قبلہ کے ساتھ رکھوایا۔ زیاد نے مسجد چکنی مٹی کے پلستر سے اور چھت ساگوان کی لکڑی سے بنوائی۔ خلیفہ مہدی عباسی نے زیاد کے بھائی نافع بن حارث کا مکان اور ہارون الرشید نے دارالامارہ جامع مسجد میں شامل کر دیا۔

سامرّاء (سُرّ من رأ)

یہ بغداد اور تکریت کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔

ابو سعد کہتے ہیں: سامرّاء بغداد سے 30 فرسخ پر دجلہ کے کنارے ہے۔ اسے سُرَّ مَن رَأَی کہا جاتا تھا جسے لوگ مختصر کر کے سامراء کہنے لگے۔ لیکن محمد بن احمد البشاری نے یہ دلچسپ نکتہ نکالا ہے کہ جب سامراء آباد ہوا تو اس کی خوبصورتی اور خوش حالی کے باعث اس کا نام سُرُوْرَ مَن رَأی (جس نے دیکھا اس کے لیے سرور) پڑ گیا جسے مختصراً سُرّ مَنْ رَأی کہا جانے لگا۔ پھر جب یہ اُجڑ گیا تو لوگ اسے وحشت ناک جان کر سَاءَ مَن رَأی (جس نے دیکھا اسے بُرا لگا) کہنے لگے جو بگڑ کر ''سامراء'' ہو گیا۔

سامراء میں ایک سرنگ ہے جس کے متعلق شیعوں کا خیال ہے کہ امام مہدی یہاں سے نکلیں گے۔ وہ اسے سُرّ مَرّي (گزرنے کی ناف) کہتے ہیں۔ (شیعوں کے بقول ان کے بارہویں امام (صاحب الزمان) بچپن میں اسی سرنگ میں غائب ہو گئے تھے اور وہی امام مہدی ہیں۔) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد سام بن نوح نے رکھی تھی، لہٰذا فارسی میں اسے ''سام راہ'' (سام کا راستہ) کہا جاتا تھا۔ فارسی میں اسے ساءِ مُرّہ بھی کہتے تھے۔ شاہِ فارس شاہِ روم سے جو خراج وصول کرتا تھا، وہ ساءِ مُرّہ لا کر ایرانیوں کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ''سا'' خراج کے معنی میں ہے اور مرہ کے معنی ہیں حساب۔

پہلے عباسی خلیفہ السفاح نے اسے تعمیر کرنا چاہا مگر پھر اس کے بالمقابل انبار (فرات کے کنارے) جا بسایا۔ ابو جعفر منصور نے آباد کرنا چاہا لیکن پھر بغداد بسا لیا۔ پھر ہارون الرشید نے سامراء آباد کرنا چاہا تو اس کے بالمقابل (دجلہ کے مغربی کنارے) ایک محل تعمیر کیا جو کسریٰ کے برباد شدہ محل کے سامنے تھا۔ آخر معتصم نے 221ھ میں یہاں آ کر اسے آباد کیا۔ معتصم کے ترک لشکریوں کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی تھی جو بغداد میں اودھم مچاتے تھے، لہٰذا اس نے انھیں سامراء لا بسایا۔ بغداد میں معتصم کے لشکری اس قدر منہ زور تھے کہ وہ شہر میں بگٹٹ گھوڑے دوڑاتے اور بچے اور اندھے ان کے سموں تلے کچلے جاتے تھے۔ بغداد کے اہل خیر نے معتصم سے گزارش کی کہ شہر والے آپ کی فوج سے تنگ ہیں، لہٰذا آپ شہر سے چلے جائیں ورنہ آپ سے لڑیں گے۔ معتصم نے پوچھا: کیسے لڑو گے؟ وہ بولے: صبح کے تیروں سے لڑیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا: صبح کے تیر کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم تمھارے خلاف بد دعا کریں گے۔ معتصم نے کہا: ''مجھ میں بد دعا کی برداشت نہیں۔'' چنانچہ اس نے دارالحکومت بغداد سے سامراء لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

سامراء آباد کرتے وقت وہاں ایک مسیحی خانقاہ 5 ہزار درہم میں اور اتنے ہی میں متصل باغ خریدا گیا۔ معتصم کا ترک غلام اشناس محلّہ کرخ سامراء میں آباد ہوا۔ معتصم نے 227ھ میں سامراء ہی میں وفات پائی۔ پھر خلیفہ واثق بن معتصم یہیں فوت ہوا۔ اس کے بعد خلیفہ متوکل نے سامراء کو چار چاند لگا دیے۔ اس نے ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی جس کا بلند مینار آج بھی ایستادہ ہے۔ اس مینار کی چوٹی سے موذن کی آواز شہر بھر میں گونجتی تھی۔ متوکل کے تعمیر کردہ قصر العروس پر 3 کروڑ دینار خرچ ہوئے تھے۔ سامراء کی عمارات 8 فرسخ (45-50 کلومیٹر) تک پھیلی ہوئی تھیں۔

سامراء میں امام علی نقی اور ان کے فرزند حسن عسکری کی قبریں ہیں۔ یہیں عباسی خلفاء واثق، متوکل، ان کے بیٹے منتصر اور ان کے بھائی معتز، مہتدی اور معتمد بن متوکل دفن ہیں۔ خلیفہ مستعین کے عہد میں ترکوں کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ وہ خلفاء کو تخت نشین اور معزول کرنے لگے۔ ترکوں کی سرتابی سے تنگ آ کر خلیفہ معتضد نے سامراء کی سکونت ترک کر کے دوبارہ بغداد کو دارالخلافہ بنا لیا۔ پھر ترک اُمراء کی چپقلشوں نے سامراء کو تباہ کر ڈالا۔ رہے نام اللہ کا۔



بقیہ: انٹرویو..... یا ایم این اے ہے۔

سوال آپ بھی تو ایک سرکاری ادارے کے سربراہ ہیں؟

جواب سرگودہا یونیورسٹی سب سے مختلف ہے۔ میرا جو استاد ایک دن کلاس نہیں لیتا وہ دوسرے دن میرے سامنے ہوتا ہے۔ ہم نے گزشتہ پانچ سالوں میں طلبا و طالبات کے واجبات میں اضافہ نہیں کیا کیونکہ یہاں پڑھنے والے بڑی بڑی رقوم ادا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ الحمدللہ یہاں جملہ یتیم بچوں کی، خواہ وہ کوئی بھی مضمون پڑھ رہے ہوں، ٹیوشن فیس معاف ہے، علاوہ ازیں جملہ حفاظ کرام، کیونکہ اللہ نے انھی لوگوں کے ذریعے اس کتابِ عظیم کی حفاظت کی ہے، کی ٹیوشن فیس معاف ہے۔ اللہ کے فضل سے اس وقت یونیورسٹی آف سرگودہا میں 750 سے زیادہ حفاظ ہیں جن میں 200 کے قریب حافظہ طالبات ہیں۔

یونیورسٹی آف سرگودہا نے یہ ساری رعایتیں دینے کے باوجود اپنی بہتر فنانشل حکمت عملی اور اساتذہ و ماہرین کے بہتر ٹیم ورک کے سبب بڑی حد تک مالی خود انحصاری حاصل کر لی ہے۔ جس کے لئے ہم سارے ہی اللہ جل شانہ کے حضور حد درجہ شکر گزار ہیں۔

عالمِ اسلام

مرکز عبداللہ، جھانیاں

تمام مکاتبِ فکر کے طلباء کے لیے محدود مدت کے لیے داخلہ جاری ہے۔

پرائمری کلاس کا امتحان دینے والے طلباء کیلئے 3 سال میں حفظ القرآن مع ترجمہ

ششم تا ہشتم عصری تعلیم لازمی

نوٹ: داخلہ کے لیے سرپرست کا ساتھ آنا ضروری ہے۔

قاری رفیق الرحمٰن مدثر

مرکز عبداللہ نزد سوئی گیس دفتر عطاء ٹاؤن

جہانیاں منڈی، خانیوال

رابطہ نمبر: 0300-8703677

ہیپاٹائٹس B/C

اور تمام امراضِ جگر

کا مستقل علاج (ان شاءاللہ)

- LFT 10 سے 15 روز میں رپورٹ کلیئر
- یورک ایسڈ۔ کولیسٹرول۔ مردانہ جراثیم پرابلم (مردانہ تولیدی جراثیم کا مردہ یا کم ہونا)
- گردہ۔ مثانہ اور پتہ کی پتھری کا بغیر آپریشن علاج
- امراضِ دل کا بغیر آپریشن مستقل علاج

دل کا بڑھ جانا | والوز کا بند ہونا | شریانوں کا بند ہونا

ہربل فزیشن

شاہد سجاد

0333 69 68 843

0301 69 31 632

ٹائم لے کر تشریف لائیں

تمام امراض کا ہربل ادویات سے بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ کے علاج کیا جاتا ہے

مطب

شفاء الخیر

24- علامہ اقبال روڈ نزد ریلوے کیرن ہسپتال لاہور (بروز سوموار تا جمعہ)

عقب مسجد رحمانیہ اہل حدیث کچہری روڈ نزد دفتر جماعت اسلامی چیچہ وطنی (بروز اتوار)